



Dr. Zakir Husain Library

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA

JAMIA NAGAR

NEW DELHI

Please examine the books before
taking out. You will be responsible
for damages to the book disco-
vered while returning it.

مجله علوم اسلامیہ

نمبر ۱ و ۲

جلد ۱۹

سنہ ۱۹۹۳ء

ادارۃ علوم اسلامیہ

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

نمبر ۱-۲

جند ۱۹

مجله علوم اسلامیہ

۱۹۹۳ء

مؤسسہ
مہدی نیر محمد العظیم

ایڈیٹر
محمد سالم قدوائی



مجلس ادارت

پروفیسر کبیر احمد جاسی
پروفیسر محمد رفیع مظہر صدیقی
پروفیسر محمد عصف الدین خاں
ڈاکٹر احتشام بنو حسنہ

فہرست

- ۱۔ نعلومی مذہب اور اس کا عروج اکبر کے عہد میں
پروفیسر نذیر احمد ۵
- ۲۔ قرآن مجید کا اسلوب۔ اجمالہ کے بعد تفصیل
جناب ضیاء الدین اصلاحیہ ۳۳
- ۳۔ دوسانی کہتے
پروفیسر محمد انوار اللہ ۲۹
- ۴۔ علامہ زعفرانی اور ان کا تفسیر "الکشافہ"
جناب نظام الدین اصلاحیہ ۴۹

۵۷. فتاویٰ فیروز شاہی اور فیروز شاہ کے ساتھ برتاؤ کے مسائل
ڈاکٹر لغزان اسلام
۷۱. تحریک مشروطیت ایران اور شیخ فضلہ اللہ نور محمد
ڈاکٹر احسان الحق
۷۹. مولانا اسلم جبریل پوری - حالات و افکار
ڈاکٹر محمد اخلاق احمد
۸۹. اشاریہ قبلہ علوم اسلامیہ
جناب کبیر محمد خاں
۹۰. مثنوی ناسید و اختر
پروفیسر کبیر احمد جاسی

نقطوی مذہب اور اس کا عروج اکبر کے عہد میں

نقطوی تحریک پر میرا مضمون تیسرے سال قبلہ یونیورسٹی کے مجلہ 'لکھنؤ' میں شائع ہوا تھا، اس دوران اس تحریک سے متعلق بعض فحش اور مضید اطلاعات حاصل ہو گئیں، انھیں میرے اکبر بادشاہ کا فرمان تھا جو نقطوی عالم میر سید احمد کا شیخ کہ نام تھا تو مضمون پر نظر ثانی کر کے مجھے متعین سندہ یونیورسٹی میں پیش کیا، تیسرے بار کچھ اضافے کے بعد یہاں شائع ہو رہا ہے۔ [

پروفیسر نذیر احمد *

اکبر کے دور حکومت (۱۵۵۶ء — ۱۶۰۷ء) میں ہندو مذہبی و سیاسی تحریکیں وجود میں آئیں، جو اکبر کی مذہبی پالیسی پر بہت اثر انداز ہوئیں، ان میں نقطوی تحریک بھی تھی، مگر اس میں ملک استغنیہ تھا کہ یہ تحریک ایران میں جوہیں آئی اور اس نے نیز زنتہ خضر زور پکڑا، یہاں تک کہ صفوی حکمرانوں کو اس کی طرف سے خطرہ محسوس ہوا، چنانچہ اس تحریک کو بڑی طرح کھلا۔ شاہ جہاں اور شاہ اسماعیل کے زمانے میں ہزاروں نقطوی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اللہ دونوں ہندوستان میں اکبر اعظم سربراہی حکومت تھا۔ اس کے دور میں ہر مذہب اور ہر فرقے کو کھلی جھوٹ تھی، چنانچہ نقطوی فرقے کے لیے ہندوستان بڑی امن کی جگہ نظر آئی، ادھر اکبر کو خط لکھ کر اور اس فرقے پر ایران میں جو سلوک ہو رہا تھا، پوری اطلاع تھی۔ ابو الفضل اس فرقے کے سربراہوں سے خط و کتابت رکھتا اور اکبر کو حالات سے باخبر رکھتا، اکبر پر اس جماعت کا اتنا اثر تھا کہ اس نے اس فرقے کے سربراہ سید احمد کا شیخ کے نام فرمایا تھا اور انھیں ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی اس فرقے کے سیکڑوں افراد آئے اور اپنی تعلیمات سے خواص و عوام کو بڑی طرح متاثر کیا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اکبر کے دور کی اور تحریکیوں کے ساتھ نقطوی فرقہ بھی منافق اسلام فرقہ تھا اور اس کی مقبولیت میں یہ بلا جہاں تھا۔

نقطوی فرقے پر ایک رسالہ ۱۲۰ شمسی مطابق ۱۹۴۲ء میں بنام قطبانیہ پبلیکیشن شائع ہوا۔ اس کے مصنف ڈاکٹر صادق کیانے ۳۳ مطبوعہ اور قلمی کتابوں سے بڑی قابلیت سے یہ رسالہ مرتب کیا تھا، ان تمام مضمون کے مطالعے میں جب یک نگاہ آئی تو اس کے ماخذ میں ۶ اور کتابوں کے اضافے سے ایک مقالہ "فرقہ فطری" کے نام سے نکال دیا گیا۔

* پروفیسر ایڈریس، شعبہ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

شمارہ ۲ (۱۹۶۰ء) میں شائع کیا۔ اس مسئلے میں داتہ نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ”دین الہی“ پدیس فرستے کا کافی اثر ہے، لیکن میں نے اس موضوع پر تفصیلی بحث نہیں کی تھی، کہ وہ دین بعد میں بدستور اثر لکھنا مسلم، بدقسمت و غلبہ پانچویں صدی کے مذہب کے مخالفانہ مضمن ”اگر یہ دین باطنی اور اس کا پس منظر“ شائع کیا جو ۱۹۶۹ء میں کتاب اکل میں شائع ہو گیا۔ اس میں نقوی نے تحریر کیا کہ فضل باب سے ”فائز صاحب نے ایک دلچسپ کتاب ”میل ارجا“ کا پتہ چلایا جس کے مصنف خواجہ محمد بن خواجہ ہانی باشندہ دہلی ہیں اس کا ایک خطوط مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہے۔ ۱۹۸۰ء میں پروفیسر غلیظ احمد لکھا کہ صاحب کی کتاب *مذہب و مصلحت* کے نام سے شائع ہوئی، اس میں بھی نقوی نے تحریر کیا کہ ”اس کتاب میں وہ دین جن سے مراد ہے جو کہ نے نقوی مربراہ مربراہ کشی کے نام لکھا تھا۔ یہ دین نقوی نے تحریر کیا کہ ”اس میں نئی اہمیت کا حامل ہے۔ ان بعد ماخذوں کے معلوم ہونے کے بعد میری خواہش ہوئی کہ میں نقوی کے تحریر پر مجھے ایک مقالہ لکھوں، لیکن مقالہ ہائی آن کی غفلت کا بیڑا بن گیا۔“

نقوی نے اپنے کتاب ”پیشانی“ کے جو بیانات کاربستے والا تھا۔ پشیمان ایران کے سونہ گیلان میں ایک محلہ ہے جو نس جلتے وہی محلہ کے کن رستہ ”دشت“ سے سات کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔ محمود پشمانی کی سیاست سے شروع ہوا، پانچویں صدی کے سلسلہ بیت المقدس سے شروع ہوا۔ اس نے دور کے نزدیک کے مختلف ممالک کی سیاحت کی۔ آخر میں اسرائیل آیا اور یہیں ۱۹۷۰ء میں اپنے نئے مذہب (نقوی) کا اعلان کر دیا۔ محمود پشمانی فضل اسرائیل (ایمانی دین) کے اس کا گورڈ رہا ہے۔ بعد میں فضل نے اس کو اپنے پاس سے نکال دیا اور اسرائیل کو دوسروں کو دوسروں کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

اولی گیارہویں صدی ہجری کے ایک تذکرے عرفات الماشقین میں جو ہندوستان میں تالیف ہوا تھا، محمود پشمانی کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

”محمود مطرود پشمانی از مبلہ مریدانہ فضل بودہ، گویند محمود را بسبب امانیت از دروغو خندانہ مردود نمود و از نظر اندافت و او در برابر جرم و کی از نظر کاغذ پر دافت و خود را مطرود و ملعون ازل وابد سافت فرض کردی بعد ازاں کہ از مجلس او (فضل) رانده شد ہزار و یک سلاو شازندہ جلد کتاب چنانچہ نزد انسانی او متداول است، پرداخت“۔

۱ محمود مطرود پشمانی فضل (اسرائیلی) کے مریدوں میں تھا، کہتے ہیں کہ محمود کی امانیت کی وجہ سے فضل نے اس کو اپنے یہاں سے نکال دیا اور اس سے بے تعلق ہو گیا۔ محمود نے فضل کے ”مرتب“ کے مقابلے میں غلط سے اپنا کاغذ سمایا اور اپنے کو مطرود و ملعون ازل وابد بنالیا۔ غرض وہ فضل کی مجلس سے نکال دیا گیا تو ایک ہزار ایک رسلے احمد جلد کتابی تصنیف کی جو اس کے چہروں (انسان) کے پاس موجود ہیں۔

ہابیانی نے منتخب احمدی میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے:

محمود پشمالی دہلی کے امیر تیمور کا صاحبزادہ و درباری تھا کہ نام دہلی است
از توابع گیلان ظہور کردہ و سیزده رسائل نوشته بر از ترقی کہ بہ ہجرت
مذہب و ملت راست نیاید و غیر از متعلقہ کہ اسرا علم فقط و حال نامیدہ
ماصلی ندارد خلاصہ تصانیف کن الشیخ الاشقیاتاب بحر و کوزہ است
فخلقی کرد رآنها خورده گوش از شنیدن آن فی می کند

محمود پشمالی امیر تیمور صاحبزادوں کے زمانے میں پشمالی خانہ میں جو ایک
گاون کا نام ہے تو اسی گیلان میں ظہور پذیر ہوا اور اس نے تہہ و بالا
لکھے جو ایسے کم و کثریب سے چڑھیں جو کسی مذہب و ملت میں روا
نہیں۔ ان مکاریوں کے علاوہ جس کو وہ علم فقط و حال کہتا ہے ان سے
کچھ حاصل نہیں۔ اس بد بخت کی مخصوص کتاب "بحر و کوزہ" ہے اس
میں ایسی یادہ کوئی ہے کہ بڑھنے سے تے آتی ہے۔ ج۔

غلام حبیب اللہ بن خواجہ باقی باللہ نے اپنی کتاب مبلغ الرجال میں پشمالی کے بارے میں بعض واقعات
کیے ہیں جو بدایونی وغیرہ کے بیان نہیں ملتے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے۔

محمود پشمالی ابتدا میں نہایت متقی و پرہیزگار تھا۔ وہ گمراہ چور و گریبانوں میں پھانسا اور وہاں ملامت و
ریاضت میں مشغول رہنے لگا۔ وہیں گھاس اور دھنفت کے پتوں پر گزربسر کرتا رہا۔ ایک روز قیپ کے پتے پر دست
کرنے گیا تو کیا دیکھا کہ ایک موٹی سی گھبراہٹ سے پانی پر پڑتی پھلتی ہوئی ہے۔ اس نے اس کو قیپ سے ہٹا کر اسے
اٹھا کر خوش حال کیا۔ بعد ازاں ہر روز مقررہ وقت پر اس کو پانی پر پڑتی ہوئی گھبراہٹ ملتی۔ وہ اسے کھا کر اپنی اشتہاد سے کرتا
اس کو دو ماہ ہو گئے تو ایک روز وہ دریائے بہاؤ کے کنارے مت روایا ہوا کچھ دور جانے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک
عصمت پوشے کے کنارے نقی بیٹھی ہے، اس کے ہاتھ میں ایک موٹی گاجر کا ٹکڑا ہے اور وہ اس سے اپنی فہوت کی آگ
بجھا رہی ہے۔ محمود اس منظر سے حیرت زدہ ہوا۔ خدا کو مخاطب کر کے کہا۔ اے خدا تو اپنے عابد و خالص بندوں کو ایسا
نیک چیز کھلا ہے۔ بالآخر وہ ایسا دل برداشتہ ہوا کہ دین سے ہجر کیا اور الحاد و زندہ کی تبلیغ کرنے لگا۔ اس کی وفات
سنگھ میں ہوئی

محمود کے بعد کے مخالف اہلکلام میں لکھتے ہیں کہ اس کے کتاب کی مہم رہا ہے، اس نے تمام عمر خدای اہل کی بے بیعت
سے سلام پہنچا کر اس نے اپنے ہر مرتبہ پر اہل کفر و کفر کی کلمہ کہہ کر اس میں کفر و کفر کی کلمہ کہہ کر اس نے کفر و کفر کی کلمہ کہہ کر
تخلوی مذہب کو جب ذہن میں سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۔ نظری حاکم افکار و فاضل۔ اس کی وہ بات یہ ہے کہ محمود کے نزدیک ہر چیز کی تخلیق خاک
سے ہوئی ہے اور خاک اس کے نزدیک مطلقہ ہے، یہ کہ اس نے مطالبہ خزانہ
کو اپنے خیال و بیان کے ساتھ حاجت کرنے میں خدای اہل کی تعاد سے منہ
لی ہے اس میں ہر چند سال پہلے کھلی جاتے کا ذکر بھی ہے خالی نہ تھا ایک مصری

زمن میں نے کچھ پڑ کے لکھے یہ دکانے کی کوشش کی کہ قرآن مجید میں ۱۱۰ عدد کا
فیوضی رطل ہے۔ بسم اللہ کی تعداد اتنی ہے اور سورہوں کی گنتی یہ ہے۔
۲۔ واحد و استاء اس کی وجہ یہ ہے کہ غلو میں اس نے شادی کی وہ امین اور محمد نے
شادی نہیں کی وہ واحد کہلا ہے۔ آنا امین کی جگہ اور واحد یہ واحد کی طرف
منسوب ہے، اس مذہب میں جرد کی زندگی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ محمد نے بھی جو
زندگی بسر کی تھی۔

۳۔ پس بنیان و محمدیہ۔ یہ دونوں نام محمد کے وطن اور اس کے نام کی وجہ سے ہیں۔
۴۔ ملاحظہ ۱۰۔ یہ نام مسلمانوں نے دیا اس لیے کہ مسلمانوں کے مامور یا یعنی خدا، قیمت بہشت و
عقبت، فرشتے، جزا و سزا و غیرہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ "انسان کامل"
کی پرستش کرتے اور اس کو "مکرب بین" کہتے جو ان کے عقیدے میں خدا ہے
۵۔ تناسخ، فطوری عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز کے ذات ہر وقت مجدد رہتے ہیں اور اپنی شکل و
صورت بدلتے رہتے ہیں۔ ایک چیز بھی پھر اور مٹی ہے تو وہ بھی پہلے اور پھر پھر
کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ہر چیز کی حرکت سے بتایا جاسکتا ہے کہ اس کی پہلی کی کیا
صورت تھی۔ یہ نشانیوں اور احوال اور لفظوں سے بتایا جاسکتا ہے۔
۶۔ زندیق یا الہوندق۔ محمد بن علی نے قرآن کی تفسیر میں ایسے عبرت انگیز افسانے و
تجلیات کی کہ جو عقاید اسلامی کے سخت خلاف ہیں۔

محمد بن علی کو حضرت ناسوں سے یاد کیا گیا ہے جن میں بین، بین اول و آخر، بین کل و کلیات، بین
شخصی و عمومی، و منہ منہ علم الکتاب، آدم، نوح، خاتم نبیین، خاتم کونین، خاتم عرب و خاتم المملکتیں
یا علی اول و آخر، باقی ایمان جلد خاص میں پر قابل ذکر ہیں۔
محمد نے فضل اللہ اسرار آبادی بانی دین و مٹی کی طرح مہدی موعود کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ دین
اسلام اور دین عرب فرم چکیا۔ اب اس کا لایا جو دین حق اور اس کی بتائی ہوئی راہ و راستہ ہے، یہ دین محمدیہ
اس کی مدت آٹھ ہزار سال ہوگی اور اس مدت میں آٹھ "مہینے" ہوں گے جن میں پہلا مہینہ وہی ہے۔
جیسا کہ اہل مذہب ذکر ہو چکا ہے محمد نے سولہ یا تیرہ کتابیں اور ایک ہزار ایک رسالے لکھے تھے، ان میں سے
چند کا پتا چلا ہے۔ مثلاً

۱۔ فطوری حق۔ اوراق ۱۸۸۔ سال تالیف ۸۲۰ھ، یعنی تاریخ وفات سے
۳۰ سال قبل۔

۲۔ مناقب۔ ۲۴۶۔ ورق۔ ایک نسخہ کاتب ملک ایران میں ہے۔ ڈاکٹر صادق کیلئے
اپنی کتاب "تقرانی یا پبلیکان" میں ان دونوں کے اقتباسات دیے ہیں۔
۳۔ موعود کا ایک رسالہ "تفسیر لکھی" نے ابو الفضل کے سامنے بڑا چیلنج کو دیا تھا۔

باب الحی لے اس کا دیباچہ منتخب التوازیخ ہدائی ج ۲۔ ص ۲۵-۲۶ پر نقل کیا

ہے۔

- ۴۔ میزان محمود۔ سید حمید لہا لہائی کے کتاب خانے میں ہے۔
- ۵۔ تفسیر خیر البیان کا ایک نسخہ سید حمید لہا لہائی کے پاس ہے۔
- ۶۔ چند نظوی رسالے اسماعیل انتشار کی ملکیت میں ہیں۔
- ۷۔ چند رسالے سید نصر اللہ نقوی کے کتاب خانے میں ہیں۔
- ۸۔ چند رسالے گیلان میں ہیں۔
- ۹۔ ایک نظوی تحریر شیخ مفید کے پاس شیراز میں ہے۔
- ۱۰۔ ایک نظوی تحریر کتاب خانہ آستان قدس مشہد میں ہے۔

ان کتابوں کا ذکر فی اکثر سادق کیا کیا کتاب "نقد پان" میں ہوا ہے، معلوم نہیں کہ ان میں سے کتنی اب باقی ہیں۔ کتاب "بحر کوثر" جس کا نام منتخب التوازیخ اور مبلغ الرجال میں ملتا ہے، انجمن نہیں۔ اگر اس موضوع پر تحقیق کی جائے تو وہ کتابوں کے ملنے کی قطع ہے۔ بھول پر یقین لاد پہنچا ہوا ہے۔

بسیار زیادہ کتب اجالی ذکر کئی کتابوں میں ملتا ہے، لیکن دبستان المذہب میں کسی قدر مضمحل ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

- مقیدہ واحدہ و آسانہار نظر پر مشتمل ہے۔
- نظر اولہ: نظم و شفعہ واحد یعنی محمود اور اس کے جسم کی حقیقت۔
- نظر دوم: شفعہ واحد کے بعض عقاید۔
- نظر سوم: شخص واحد کے کچھ اقوال۔

نظر چہارم: کچھ مقررات و اصطلاحات و حکایات۔

نظر اولہ: محمود پس جان کا رہنے والا، عالم، متقی اور بہترین گاتھا، سند... اس کا تصور ہوا۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ حضرت محمد مسلم کا جسد کامل تر ہوا تو اس سے محمود کی تخلیق ہوئی "بیشک متا محمود" میں اس طرف اشارہ ہے، لیکن جب منظر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو مدنی صورت نہایت صحت اختیار کرتی ہے (بعد از ان) میری بیکس اس کے جسم پر حجت چلتی ہے، جب اس میں شان و شکوہ پیدا ہوتی ہے تو وہ انسان کامل کے درجے تک پہنچتا ہے، اسی طرح تصور ہے کہ اے انسان تیری کئی چیزیں ملنے کے لئے ہیں، پہلی تک تو مرتبہ آدمی آیا، پہلی قدم کمال کی طرف لگتا رہا یہی تک کہ محمود کا دور آگیا،

نظر دوم: محمود گریز در محمود
کائنات کا ستارہ شفیق
نظر سوم: در لیس ملک واحد، در لیس اسماعیل، در لیس شفیق

لفظ خدا اور شیخ شہاب جو "آئنا" میں ہیں انہوں نے مولف "دبستان" سے بیان کیا کہ "فصل واحد" رحمت یعنی تاج کا قابل ہے، جب وہ مولف کا دوسرے کے بیان کے باوجود نہایت کی شکل اختیار کریں گے، جب وہ نہایت مہمان یا انسان کی غذا ہوگی تو وہ مہمان یا انسانی باکس اختیار کرے گا۔ "فصل واحد" نفس تاملتہ مجرد کا قابل نہیں ہے، وہ خاک کے فضل کو واجب و مبدا، اول قرار دیتا ہے۔ "بسم اللہ" کے پہلے استیعین بفرمائی کہ لا الہ الا ہو۔ لکھتا ہے اور پہلے "لیستہ مشکہ شمس" کے "انا الکریم البصیر" لکھتا ہے۔

نظر سوم: میزان میں ہے کہ اول ظہور سے تخلیق آدم تک سولہ ہزار سال کی مدت جہتی ہے، اس میں پہلے آٹھ ہزار سال دور عرب کے اور دوسرے آٹھ ہزار سال دور عجم کے ہوں گے، پہلے دور میں آٹھ عرب مرسل ہوں گے اور دوسرے میں اتنے ہی مہین

نظر چارم: مجرد "واحد" اور متاہل "امین" ہے، کمال تجرد کے بعد واحد کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ مرکب مبین "کے دہے کو پہنچ جاتا ہے جو جبر خدائی ہے، ایک واحد کا بیان ہے کہ جب کوئی انسانی بیکس سے حیوانی اور پھر بندرج نسانی جمادی صورت میں تبدیل ہوتا ہے تو اس کے بدلنے ہوئے آثار سے "مضی" کو اصل حقیقت کا پتا چل سکتا ہے۔ کہتے ہیں امام حسین پہلی زندگی میں موسیٰ تھے اور یزید فرعون۔ موسیٰ نے اُس زندگی میں فرعون کو دریائے نیل میں ڈبوایا تو اُس زندگی میں یزید نے حضرت امام حسین کو فرات کے پانی سے محروم رکھا۔۔۔

نظر پانچواں: ایک خاص دعا ہے جس کو آفتاب کی طرف رخ کر کے پڑھتے ہیں۔ وہ انسان کی پرسش کرتے اور اس کو حق کا مترادف جانتے ہیں۔ ان کا سلام اللہ اللہ ہے، محمود اپنے کو شخص واحد اور مہدی موعود لکھتا ہے، اس کے نزدیک دین اسلام منسوخ ہو چکا ہے اور اس کا لایا ہوا دین حق ہے۔

رسید نبوت مندانی بابت محمود گذشت آنگہ عرب طعن بر علی زند
ایک واحد کا قول ہے کہ حافظ شیرازی کی سخن نقوی تھے۔ محمود روح اس پیرہ چکا ہے، اسی نسبت سے شاعر شیراز کہتا ہے:

اے صاحب گداز ہر حال بعد از ہر روز زلف برفاں کا کنو و انوار کو چو کوئی فخر
محمود شاعر محمود شریقی تخلص کا موصوفہ اس نے اپنی خوبصورتی میں ان پر طعن کیا ہے، ان پر بعض باتیں بھی ہیں، مشافہہ رسالہ "نفیس الارقام" میں لکھتا ہے۔

انہما فی حق ہیں گروہ واجب کے شکر ہیں۔ اولیٰ سونے کی جوتہ عالم

خدا بلل گردانے ہیں، انھیں میں ملاحدہ تسلیم بھی نہیں ہے کہ وہ فطوری کہتے ہیں۔ وہ اشیک کے مباد کو ذات مرجع اور اپنے کو خدا کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ مرکب تک انسان اپنے کو نہیں سمجھتا۔ وہ ہے اور جس پر اپنی معرفت ہوگی خدائی درجہ حاصل ہو گیا۔ ان کا کلام "لا الہ الا انکرب البین" ہے اور "مرکب البین" سے مراد انسان ہے۔ اس مذہب کے بانی محمود پنیان کا خیال ہے کہ مرکب اور محسوس کے لیے کوئی اور چیز موجود نہیں، وہ معقول کی وحدت و بساطت کا منکر ہے اور عقل و تصور کو فلاح قرار دیتا ہے!

”روفتہ الصفاقتے نہری“ میں نقطہوں کے بارے میں یہ اطلاق ملتی ہے:

مذہب بالہ میں ایک مذہب تنازعہ ہے، ناقص انسانی روح جسم میں متروک رہتی ہے اور جبراً ایک بدن سے۔ دوسرے بدن میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح وہ کامل ہوتی ہے۔ محمود گیلانی نے اس مذہب میں تعارف کیے اور نئی اصطلاحیں وضع کیں۔ وہ خاک گو نقد کہتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ مہی قدر مریم ان نبات اور جہاد ہیں اس کے سامنے ہیں ان کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ پہلے جہاد میں وہ کیا کرتے۔

رفتہ رفتہ نقوی مذهب ایران میں کافی پھیل گیا اور اس کی ترویج و اشاعت روز افزوں ہونے لگی۔ ایران میں اس وقت صفوی خاندان سر پر کارے سلطنت تھا۔ نقویوں کی طرف سے ان کو خطرہ محسوس ہوا تو انھوں نے ان کی روش پر دباؤ ڈال کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبہ کو بروئے کار لانے میں سیاسی و مذہبی دونوں مصلحتیں شامل رہی ہوں۔ مگر بہر حال صفوی حکمرانوں نے نقویوں کو قتل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ شاہ عباس صفوی کے دورِ حکومت میں ایک نقوی شاعر ابوالقاسم امری شاہی حکم کے بموجب اچھا کر دیا گیا۔ امری ابوتراب کا بھائی تھا، اور عباس کے دربار میں بڑا اقرب رکھتا تھا۔ بڑا عالم فاضل تھا۔ مگر ان فضائل کے ساتھ محمود پشیمانی کے مریدوں میں تھا۔ اس کی وجہ سے ۸۳ھ میں اس کی آنکھ میں سلاخی پھرائی گئی۔ ۹۹۹ھ میں وہ قید کر دیا گیا اور چند دنوں بعد قتل کر دیا گیا۔ دشمن خدا سے اس واقعہ کی نانت نکلتی ہے۔ مگر یاض الشرائع میں بھی اس واقعہ کی تفصیل درج ہے۔ اس میں مزید یہ ہے کہ علوم غریبہ اور لغت کے اسرار میں بے نظیر تھا۔ اس کے منقولات بہت ہیں۔ ان کے علاوہ اس نے تصانیف میں رسالہ ذکوہ فکر اور محاب عرۃ الصفا ہے، اس کے کافی اشعار اس تذکرے میں درج ملتے ہیں۔

شاہ طہاسب منہی کے زلمے میں ۹۸۳ھ میں اکستان میں غلطیوں کی گرفتاری کا واقعہ مرزا جعفر قزوینی
نزع النبی میں یقین بیان کرتا ہے:

ابلاں ہیں کچھ اچھا اور کچھ بُرا ہے۔ اچھا ہے کہ ہشتاد کے عارفانی ایک شخص کی تائید میں کھڑے ہو گئے۔ اہلسنت کا دعویٰ تھا کہ ایک دوسری جماعت بھی انہیں اطراف میں محوِ بے نیازی و دعویٰ نبوت کریم (ص) میں کھلتی اساتیل چلی چکی تھی، اس کی پیروی کا ارادہ رکھا گیا۔ یہاں کے فراروانے یہاں کے کچھ اہل سنت و اہل علم کا ہمدردی کے جذبہ سے ان کے کلمات میں نوعیت کیا..... ہمیں رندوں کی سلاسلے ملک میں کئی کئی کڑے دیکھ چکے ہیں۔ اچھا ہے کہ ہشتاد کے ہشتادوں سالک گروہوں میں سے گزرا ہو۔ اچھا ہے کہ ان کے قول کے مطابق جانتے

کاغذ نے بعض لمحوں سے اتنا لمبیدار کیا اور خطیوں کی محبت میں اٹھنے بیٹھنے لگا۔ تھوڑے عرصے میں علم فقہ اور اس کے احکام و رسوم پر بے حد مہارت حاصل ہوئی، پھر وہ کاشان سے قزوین گیا اور وہیں تک خطیوں کی محبت کی رہا، پھر اس نے ایک عہد کے ساتھ کچھ اور شاہ طہاسب کے حکم سے قید ہو کر دو سال کے بعد رہائی ہوئی تو فیروز آباد، ۱۹۸۶ء میں کاشان واپس آیا، بعد ازاں ہندوستان گیا اور علامہ اشعار تھلے وقت (۱۹۹۳ء) احمد نگر میں موجود تھا۔

طہاسب شاہ کے والد کے ایک دائرہ کی تفصیل اسکندر نقوی نے عالم آرا سے عباسی میں اس طرح دی ہے۔

”دو بیٹے فروغ و قزوینی کے جلد دہب کو شک کے پچھے بیٹے سے ملتی رہتا تھا۔ اس نے باپ

دادا کا پیشہ تک کہ دو بیٹے اور قندری کا چار بننا، مددوں سے وسعت کی اور خطیوں کو

محبت میں اپنی دست مشائی کے پیشہ ور ہو گیا، پھر قزوین آیا اور سہد کے ایک گوشے میں معتم

ہر جہل راز و نیاز دو بیٹوں کی ایک عہدیت اس کے پاس جمع ہوئی اور دو بیٹے فروغ و قزوینی

فری کے مطابق نقیب کرنے لگا۔ بادشاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے نقیبش گرائی۔ اگر

دو بیٹے فروغ نے مذہب حق کو ماننے سے انکار کیا لیکن حد شرعی کی زد سے محفوظ رہا عرف

اس حکم کے اگر وہ سہد میں قید نہ کرے اور لوگ فراہ خواہ اس کے پاس جمع نہ ہوں۔“

دو بیٹے فروغ کے خطیوں کے لیے ایک عہدیت دو دلیل اکبر بادشاہ کے فرمائش سے جو میر سید احمد کاغذی کے نام ہے، مزید

راہم ہوئی ہے اس میں دو بیٹے فروغ کے بارے میں ہے،

”ہمارے باپنی و روحانی توجہ کی خوشنودی جیرو دانی کی اکیس ہے، اے منتخب

عہدیت مند اور عہدہ مالی مشرب یعنی سید الدین دو بیٹوں فروغ کو پہنچائیے جو کسا

انصاف ابو الفضل بیٹے راستگر اور آدم شناس کے وسیلے سے ہمارے مقدس میر

میں راسخ ہوا اور انہیں ہماری ستائیت کا امیدوار بنائیے۔“

سلطان محمد خدا بندہ (۱۹۰۵ء - ۱۹۱۵ء) کے عہد میں بھی خطیوں پر سختی جاری رہی۔ بعض خطیوں قتل بھی ہوئے

اس میں ایک شاعر افضل دوتاری ہے جو قبیل مولف ”خلافت الاشعار“ ۱۹۱۳ء میں ولی جان سلطان کے حکم سے (کنز

استغناء) کے لوح میں قتل ہوا۔ البتہ بعض خطی باجوہ شہم ہونے کے موافقہ سے بچے رہے۔ ان میں بھی کاشانی اور

بابا شاہی آصفیائی کے نام ملتے ہیں۔

شاہ عباس کی تخت نشینی (۱۹۹۶ء) پر خطیوں کے حالات بہت ابتر ہو گئے۔ شہر قزوین باجوہ دولہان

ہونے کے خطیوں کو کچھ کاٹا ہوا تھا۔ دو بیٹے فروغ کی اس شہر میں خانقاہ تھی جو خطیوں دو بیٹوں کی پناہ گاہ تھی۔ بادشاہ

اکثر وہاں جاتا اور اہل خانقاہ سے گفتگو کرتا۔ اس طرح اس کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ دو بیٹے فروغ اور اس کے ساتھ خطی

عقیدے کی اشاعت کے شعلہ فطرت سے کرسے رہا۔ یہ حکومت کے لیے بڑی خطرناک صورت تھی۔ چنانچہ انہیں

کے چھ سال (۱۹۰۵ء) شاہ عباس کے حکم سے ہزاروں خطیوں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

اسی زمانے میں جلال یزدانی نے پیش گوئی کی کہ شاہ ایوان کے لیے غریب کا وقت قریب آگیا ہے

اس سے کچھ کی طرف ہندو ہے کہ چند روز کے لیے وہ تخت خالی کر دے۔ اس کا شعور۔ کی گویا مل جا

لی۔ چنانچہ فطری کے سرور پر ہستی پرکشش ہوا تو تین روز قحط ہوا، شکار کھل کر دیا گیا۔ اس کے بعد درویش خیر خواہ دوسرے
فطری قزاقوں کے اہران میں قحط ہوئے۔

اسی پر ایک قدیم حکیم نے کاشی لے کہا ہے:

کہا توئی کہ در لہر چرخ تو زوارت	ہزاروں دریاؤں پر فطری مسافر کو
خلو در درم از بوسنی و سلطنت	دوبیت تھلہ تھلی کہ قحط تو تھلہ کو
بہتیاں ہر زلفندہ چشم اور ہر سجد	دلی کہ تکر لاشعہ بادشاہی بلبل کو
نکر و سہلہ آدم بکر من شیطانیہ	دلی بکر کو آدم سجود فیضی بلبل کو

شاہ عباس پھر اسٹھان آیا تو نہر آباد کاشان میں سب سے اہم فطری سرور سید احمد کاشی کو اپنے ہاتھ سے
کھلی کیا۔ برہنگہ کے کاغذات میں بہت سے فطریوں کے خطوط ملے۔ ان میں ایک ملشور آغا افضل کا نوشتہ بھی تھا، معاہدہ
تدوین نوپس اس کے قلم سے لکھا ہے:

اس طائفہ کے سرور دین سید میر سید احمد کاشی تھا جس کی وجہ سے بہت سے
بدبخت گراں بھری راہ پر بڑھ گئے تھے، پاک امتداد بادشاہ نے نہر آباد کاشان میں اس
کو اپنے تلوار سے قتل کیا۔ اس کے کتابوں میں جو رسالے ملے اللہ سے ظاہر ہوا
کہ فطریوں کا کد مذہب کے مطابق عالم کو قدیم مانتے ہیں اور مشر، امجاد اور قیامت
پر یقین نہیں رکھتے، ان کے نزدیک اعمال کے اچھے یا بُرے ہونے کے نتیجے میں دنیا
میں جمعیت یا ذلت ملتی ہے وہی بہشت یا جہنم ہے، درویشوں کو الہ اسٹھان
درویشوں ترائی کو اللہ کے متنازعے وہ دونوں اپنے تین چار مریدوں کے ساتھ خواہ سالوں
کو راہ میں تھکے ہوئے، اس طرح جن لوگوں پر فطری چوڑے کا ذرا بھی شبہ تھا، ان
سب کا ہی انجام ہوا۔ درویشوں کے بعد ترک سرید اس میں جرم تھو ہوئے،
اس طرح ظاہر ہوا کہ انہم ملک عروس میں اس فرقہ کی ریشہ دہانیوں کی جڑیں اتنی گہری
ہیں۔ ہندوستان سے آنے والے واپس سے معلوم ہوا کہ شیخ مبارک کا پیش
امو افضل جو ہندوستان کے فضلاء میں ہے اور دہلی کی میں بہت زیادہ تھو
حاصل کر چکا ہے، اس مذہب کا پیرو ہے، اس نے اکبر بادشاہ کو وسیع الشہ
ہنا کر چاند شہرت سے نواز کر دیا ہے اس کا فطری جو مرید گور کے کاغذات
میں دستیاب ہوا۔ امو افضل کے فطری ہونے پر دلائل گنتا ہے۔ شریعت کامل
جو باقی فعل میں تھا اس فرقے کے اکابر سے فطری رکھتا تھا وہ اپنے زمانے کی
سنت گیریل سے تنگ آکر ہندوستان چلا آیا تھا۔ حضرت بابا شاہ اکبر اس کی فطری
تعمیم کرنے لگا، اس کے ساتھ یہ چاہا اس کی کہنے تھے:

شعبہ میں کی فتح کا نتیجہ ہوا کہ جس سے جو سے سرزمین میں فطریوں سے خالی ہو گیا

اسکندر منلی کہتا ہے:

انفس از سیاست این جماعت اگر کے ازین لبتہ بود ازین دیار
بروزن سفت یاد گرفتہ نمولہ مہمہ خود را بے نام و نشان ساخت و
در ایران شیعہ تنازع منسوخ گفت:

۱ مختصرہ کہ اس جماعت کو جو طرح مزادی تھی اس سے اس کے
جماعت والے یا تو باہر جاکر نکلے یا گوشہ گمانی میں پڑ کر بے نام و
نشان ہو گئے۔ اس طرح ایران میں تنازع کا رواج ختم ہو گیا۔

ایران کے اکثر نقادوں کی پناہ گاہ ہندوستان قرار پائی۔ خصوصاً اکبری دور میں یہ جماعت والے
بڑی تعداد میں اس ملک میں داخل ہوئے۔ شروع کے نقادی واردی میں میر شریف آملی ہے جو
پہلے دکن آکر رہا، اور اپنے خیال کی تبلیغ شروع کی اس سے لوگ بدھن ہوئے اور اس کو مار ڈالنے کی سازش
کی۔ اس کو بچا جلا تو وہاں سے جاکر نکلے اور مالاوہ میں ساکن ہوا۔ اکبر بادشاہ انھیں مالاوہ کے ایک مقام
دیال پور میں بیکر لیا تھا، میر آملی کی آمد کی خبر مل تو اس کو دربار میں بلایا اور تنہائی میں ملاقات ہوئی۔ اگرچہ میر نے
کے گفتگو کا وہاں دوسرے رابطہ سے، پھر بھی بادشاہ کو متاثر کر گئی۔ اس کے بعد میر شریف کی ترقی تھی، وہ تاریخ کے
اوراق کی زینت ہے۔ ذیل میں پہلے منتخب التواریخ کے بیان کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے، پھر ماضی القمرا کے
بیان کا۔

میر شریف آملی ایران سے بلیغ آیا اور مولانا محمد زاہد لہری شیخ حسین خوارزمی کی خانقاہ سے وابستہ ہوا لیکن جب
اب خانقاہ کو اس کی بدعتی کامل حوا تو اپنی خانقاہ سے اسے نکال دیا پھر وہ دکن چلا آیا وہاں اس کا بیٹا ظاہر ہوا
وہاں دکن سے اس کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا، لیکن یہ بہت پوری نہ ہو سکی تو اس کو تھکے پر بھاگ کر پورے شہر تک پہنچا۔
اسی وقت دہلی سے بھاگ کر مالاوہ پہنچا اور یہاں عراقی مہمدین کا ایک گروہ اس کے گرجج ہو گیا، پھر یہاں میر شریف آملی نے
اپنے نو صدی کا بعد و قرار دیا، شاہنشاہ اکبر ان دنوں مالاوہ ہی میں خیر زین تھا۔ شریف آملی کی شہرت سن کر اس کو تھک
میں بلایا اور طرح طرح سے آزمایا۔ اس کے عقاید فاسد تھے اور وہ محمد و بیگانی کے دین کا پیر و نکلا۔ میر شریف نے اپنے
عقاید پر ایک کتاب "ترشح نمبر" نام سے لکھی جو مہلات کا نمبر ہے لیکن اس کے باوجود وہ عام کامیاد کر خود ہوشیار شاہ
کے مزاج میں اس کا اتحاد دل ہوا کہ اس کے ہزاری میں شامل کیگیا۔ وہ اس وقت بنگال میں مذہب حق کے داعیان میں
ہے اور مولانا انیس چار گز کا ماسل۔

ماضی القمرا میں ہے کہ کتب دہلی ایران میں پہلے بچا ہے قصوں و حکایتوں میں کافی دستاویز ہے میر شریف کی کتاب
میں مالاوہ و غلہ کا اٹان کر کے قیام و غریب خیالات و عقاید کا بیان مرکب تھا، پھر ہر دوست کا لکھنے کرنے کا
دوسرے کو لکھتا۔ ایک کے بعد ایک کل اور دست میر شریف کا بعد دور تھا، بادشاہ کے نزدیک سلطنت سایہ راب
ہے، لیکن کسی ایک جماعت یا فرد کا دست نہیں۔ ہر مذہب و شریک کے فرد کو اس فیض سے بہرہ مند ہونے کا استحقاق
ہے۔ اکبر کے بعد میں میر شریف کی بڑی تعداد ملی تھی، روز بعد اس کے مرتبے میں اختلاف ہوتا رہا۔ ۹۹۳ ہجری

کابل کی صدارت و اسٹیٹ کے مہذب پر فائز رہا، حکومت کے ۳۹ ویں سال (۱۹۹۹ء) جنگلی میں خدمت چھڑکا نہ،
خلیجی، اسٹیٹ، صدارت، قضاے ستاز چھا۔ ۳۳ سال پہلے لکیر میں کی جاگیر قرار پایا اور قضاے مومن کی اس کو بلور
تیل ملا۔ آخر میں سرپرستی منصب دار مقرر چھا۔ کچھ دنوں بعد وفات پائی اور مومن میں سے ہر دفعت کیا گیا۔
میر تقی تھا اور بارگاہ اکبری میں رسائی کے ساتھ ہی ملائے متاخر کرتا اور محمود ہیکل کی خدمات و عقید
کی ترویج میں مصروف رہتا۔ لاجرم اسکندرشاہی کا قول بھی کر چکے ہیں جس میں ہے کہ اگر بادشاہ اور اس کے اطراف و اطراف
دولت میر شریف کاسلی کے ساتھ پیر جیسا سلوک کرتے۔ اس سے کوئی فایز ہے کہ اگر تقویٰ تحریک و عقیدے سے کس مذہب
متاثر تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ غلطیوں کو بند و سبب آنے کی دوسری وجہ بنا۔ اگر غلطیوں سے جیسی پھرتی تھی اس کا
انذار اگر کس اس فرمان سے چھوٹا ہے جو شاہ عباس کے نام کا ہے۔ اس میں کہا ہے کہ اللہ کی خلق کے ساتھ ہر حال
کاسلوک کرتا چاہیے۔ یسٹون قوی شاہ عباس کے تقویٰ خلق نام کے بعد لکھا گیا، اس میں چالی بیسے خزان کفرانہ
کے خاتمے کا بھی ذکر ہے جو ۱۰۱۱ھ میں واقع چھا اور قتل عام ۱۰۱۲ھ میں چھا۔ اس بے اکر کے طرفان کی تاریخ ۱۰۱۲ھ
کے قریب چوگی۔ اس فرمان کے چند اجزاء کا ترجمہ درج ذیل ہے:

”آپ کو ملک کے انتظام اور عام فوکل کو کھلائے کے لیے جدوجہد
کرتی چاہیے اور فقہ پر دازوں کے بھلائے میں آکر پریشان خاطر نہ ہونا
چاہیے۔ بد باری اور چوڑی پٹھی کو اپنا شمار نہ کرنا چاہیے۔ آدمیوں کو
تکلیف کرنے اور خدا کی بنیاد ڈالنے میں انتہائی احتیاط کرنی چاہیے کہ چونکہ
خود غرضوں کی میلہ پر دازوں سے غلبہ دوستانوں کو شہرت مل جائے لانا پڑتا
ہے۔ کچھ کچھ بہت سے دوست نادانوں نے عقیدت کا لباس پہن کر
حکومت کی بنیاد کو ڈالی ہے۔۔۔ انسانوں کے منہ کو کھانے کی بلبلہ
کو شش کرنے رہنا چاہئے اور اس زندگی بے پناہ کی چند روزہ اقامت
کو خدا کی رضا و خوشنودی سے وابستہ رکھنا چاہیے۔ انسان کی تائید
قلب کرنے رہنا چاہیے۔ یسٹون کی امانت ہیں، اس پر شفقت کی نظر ڈالنے
رہنا چاہیے۔ تمام آدمیوں کو بغیر اختلاف مذہب و نسل ایک نام و رحمت
میں شریک نہ کرنا چاہیے اور صلح صلح کے ساتھ ہر شخص کے مصلحت کو پیش
کرنا چاہیے، جس خدا پر مذہب و شریعت کے لوگوں پر فیض کا دروازہ کھلا
کرانے کی ہدایت کرتے ہیں کہ بادشاہ کو خدا کے سایہ میں اپنا لازم ہے
کہ اس میں دشمن کو راضی نہ دہانے دیا۔ خدائے تعالیٰ کو دنیا کے انتظام
اور تحفظ کا سہارا ہے کہ پیدا کیا تاکہ ہم تک عزت و ممانیت سے زندگی
برکریں، تک دنیاوی امور میں جو فانی اور ناپائیدار ہیں دیدہ و
دار و خلقی کا حساب نہیں کرتے تو دینی امور میں جو باقی رہتے والے ہیں

انھیں سہ سالی کہیں کر رہیں گے۔ اگر حق بجانب ہیں تو انھیں کاٹنا ہے کہ انھیں پہچانی جائے اور ان سے غلطی سرزد نہ ہوگی ہے تو ان پر شفقت کر لی جائے، طور شش اور سولہ گانہ نہیں:

ماہر کلاس ماسیاد ماسیاد امین ہے کہ جب لفظی سرگروہ سید احمد کاشی ... ۱۰۰۰ میں مع ہر مہینہ فطریہ کے نصیر چا تو اس کے کائنات میں ہر مہینہ میں ایک مبارک کا ایک منظور ملا جس سے اس کا فطری جینا واضح ہے۔ مسیاق و کچھ کر دی غریب و تہیہ و تہیہ و تہیہ کے ایک خدای شفا کے مہر و مہر شامل ہے۔ دفعہ حاصل ہو گیا جس کو ہر مہینہ فطریہ احمد کاشی نے لہجہ تک آپ اکبر اور یحییٰ میں بطور خیر شالی کر دیا ہے۔ ہر مہینہ مذکور کے کے توسط سے غلطی کے کا فوٹو بھی مل گیا اس طرح سے بہت سی حسیہ اور نئی معلومات حاصل ہوئیں۔ اس طرح میں ہر مہینہ ایک مقررہ انگریزی میں لکھا ہے جو ہر شالی میں چھا۔ اس مہر و تہیہ کا تہیہ ذیل میں درج کیا جائے گا:

• حضرت جلال الدین اکبر بادشاہ کا فرمان امیر احمد کاشی کے نام ہے۔
نسبت سنوی اور قرب باہمی دونوں اور حق شناس اہل فکر کی توجہ کا جلد رہا ہے، کتنا اچھا وہ خوش نصیب ہے جو روحانی تعلقات کو استوار کر کے اپنے رب کی پرستش میں ہمارا تہا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ نبوت کے باغ کے اس درخت اور پاکیزگی کے رنگ زار کے کس چٹے یعنی غنی الدین احمد کاشی پر یہ حقیقت ہماری طرح روشن ہے۔ وہ درگاہ خداوندی کے اس نماز مند (یعنی اکبر بادشاہ) کی حق شناسی کے مراتب کی طرف ہماری طرح متوجہ ہے۔ اسے سہولتی دوری کی وجہ سے آئندہ خاطر نہ چڑھا جائے کہ ہم قوم اور تربیت کے لحاظ سے (روحانی طور پر) ایک دوسرے سے نزدیک ہیں۔ چونکہ مدت سے میرے حقیقت اساس دل میں اہل ایمان کی محبت کا خیال جاگ رہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ وہ عزم جماعت (میری) صوری و سنوی قرب حاصل کر کے کھڑی و باطنی سہیلیاں حاصل کرے اور اس ملک کے چھوٹے بڑے ہمارے زیر سایہ شرف انھیں سے ہر باب ہوں۔ اگر ہم اس حقیقت کا کہانی کی اپنے حقیقت مندوں کے صدیقان ہم دلی حسن اتفاق مند کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس کے فرائض کی وجہ سے حقیقت مندوں کا چہنہ ہر وقت ہدایت پا چکا ہے۔ جو رنگ ہے کہ اور حقیقت فیہی اور راہ خداوندی کی مشکلات کی محبت ہماری ہر گاہ میں ہوں غنی و افروزی مسائل مل جاتے ہیں پیش کر کے امداد و حقیقت کی مسلسل رہنمائی کریں اور ہماری باطنی و روحانی توجہ کی خوشخبری جو امیر دانائی ہے۔ حقیقت مندوں میں مطلب، نیک فرائض و روحانی مشربل میں جو یہ یعنی سید احمد کاشی

دو پیش خرو کو پہنچائیں جوف کا اظہار ابو الفضل جیسے راست گوارہ مرد شجاع
کے واسطے ہے ہمارے مقدس خیمہ میں راسخ ہوا اور انہیں ہماری عنایت
کا اسید وار بنائیں (ہماری قوم کا یقین و لائیک) اور ایسی سادت مند جہات
جو مادہ پرست ہے اور جن کے دل تقلید کے مادے سے نکال دیے ہیں، ان
کی رہنمائی کریں اور ان کی آنکھوں کو تحقیق کی روشنی بخشیں، اس ہونہار
نوجوان کی خوبیوں اور ہر مندویوں کی جلوہ خانی ہماری چشم جہاں میں
موجو ہے۔ مزید یہ کہ رشید الدین اسحاق جو بڑے فضلا اور اہل استدلال
میں ہیں اور مروعات و عرفان کے شہر میں بڑے درجے پر فائز ہیں
اگر وہ میرے دربار سے وابستہ ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے، آپ ہمیں
باجر اور حق شناس ذات سے اسید ہے کہ اُنسا (نقلوہوں) کی وجہات
اس ملک میں پائی جاتی ہے اس کی اطلاع دیتے رہیں گے کسی غرض نصیب
کی خوش نصیبی اس سے زیادہ اور کیا چوگی کہ اسے ہمارے حضور و قدس
کی سادت و اہل دل کی آغوش کا سر نہ ہے، حاصل ہو۔ اگر موافق کی وجہ
سے یہ سادت حاصل نہ ہو سکے تو دوسری بار حضور مقدس میں اسہ
کی عاجزی بزم اقدس کے حقیقت شناس کی زبان زد ہو جائے۔
دوری سادت کی وجہ سے بعض متغیر سے تبرک کے ساتھ یہ صمیم
نقص ہے۔

۸۔ آذر ماہ ۱۰۰۰ھ

- اس فرمان کی اہمیت حسب ذیل وجوہ کی بنا پر ہے :
- ۱۔ اکبر کی نقوی تحریک سے گہری وابستگی کا سب سے اہم اہتمام و اخذ ہے۔
 - ۲۔ اس تحریک کی نسبت سے اکبر اور ابو الفضل کے تعلقات کا متبر ترین
ماخذ ہے۔
 - ۳۔ حضور و قدس اور حضور کے تعلقات پر اس فرمان سے نئی روشنی پڑتی ہے۔
حضور پر اس فرقے سے حقیقہ رکھنے والوں کو قتل کر رہے تھے۔ اس میں سیاسی
اور دینی دونوں مصلحتیں تھیں۔ تو دوسری طرف اکبر بادشاہان کو وہ فلاح باخدا
اللہ کے عقیدے سے ہندو کے اہلک کے ساتھ ان کو اپنے یہاں آگے لے کر
دے رہا تھا۔ گو باطنی مخالفت تھی۔
 - ۴۔ گیسویں باب بات ہے کہ میر سید احمد کا شی حضور و قدس کے نزدیک بڑا اہم و
عظیم ہے۔ اکبر اس کو ایسا لازم مانتا ہے کہ اس کے نام منسوب ہماری کرتا ہے

جس میں اس کے ذمہ وقتوی کی بڑی تعریف ملتی ہے۔
 ۵۔ اس میں حسب ذیل تین فقہوی مسرعاتوں کے بعد توصیف ملتی ہے

سید احمد کاشی

درویش خسرو

رشید الدین ساقی

ان میں جسے کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے، البتہ پہلے دونوں
 کافی شہرت کے مالک ہیں۔

جیسا کہ تاریخ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد کاشی ایسا فقہوی سرگودہ تھا جس کے سیکڑوں عقیدت مند
 تھے، اس کی وجہ سے شاہ عباس کو غصہ و لافظ ہوا اور اس نے ایک منسو بے کے تحت ۱۰۰۶ھ میں کاشان میں تہ تیغ
 کر ڈالا۔ اس کی کنیت سنی الدین عرف اسی فرمان میں ملتی ہے، اسی سے مزید اس بات کا پتا چلتا ہے کہ درویش خسرو
 سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔

درویش خسرو کی کنیت سید الدین کہیں اور نہیں ملتی۔ یہی فقہویوں کا بڑا اسراف تھا۔ اس کے مریدین
 میں ترک و جمہیک دونوں تھے۔ خیال ہے کہ جب کہ اس کی تبلیغ کا حلقہ ایران سے آئے نکل چکا تھا۔ ابو الفضل اس سے
 بہت متاثر تھا۔ غزنیہ و کتابت بھی ہوگی، ورنہ وہ اس کے اخلاص و محبت کا ذکر شہنشاہ اکبر سے کیوں کر کرتا۔ ابو الفضل
 کے واسطے سے اکبر اس سے متاثر ہوا اور اسے اپنے دربار میں آنے کا دعوت فارم دیا، لیکن درویش خسرو سبقت
 نہ آسکا اور برستان کی جہ کے سوختی پر اس سے اس کے رفتا کے گرفتار کیا۔ اس جہ سے واپسی پر ان سب کو قتل کر دیا
 یہ واقعہ ۱۰۱۲ھ کا ہے۔

درویش خسرو اور احمد کاشی کا ذکر فارسی کے تذکروں وغیرہ میں کافی ملتا ہے۔

بیانی کاشی اور میر شریف آملی کے علاوہ چند ایرانی پناہ گزین فقہوی ادیب کی اطلاع ہم تک سنی ہے مثلاً
 میر تقی کاشی، اس کا نام علی اکبر تھا وہ کاشان کے ایک معزز سادات خاندان کا رکن تھا۔ بیانی کے
 قول کے مطابق اس نے الزام سے متعلق رسائل لکھے۔ وہ بادشاہ کو شخص معذور ماننا جرم عدد (مخفی) کے مطابق مشافہ
 میں نہ ہو گا۔ وہ دو تین بار ہندوستان آیا گیا۔ آخری بار آیا تو فقہوی مذہب میں بڑا رائج عقیدہ ہو گیا۔ اس نے
 بادشاہ کی طرف سے ایک قصیدہ لکھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ اہل عقیدہ کو فرم کر دیا جاوے تاکہ ان میں ایک مرکز پر عقیدہ ہو جاوے
 اس لیے ابو الفضل کے ہم فقہوی مذہب کے مطابق ایک رسالہ لکھا جس کا دیباچہ اس طرح تھا۔

”بانتہ المومنی کل ضلال استعینہ بنسک اللہی لا الہ الا هو.....“

سوال۔ خلقی کہ گنہ شود کہ ہر است

جواب۔ خلقی کہ گنہ میشود است

غرض کہ مشدہ کے مطابق تشبیہ نے بیانی میں شرا کی صحت انتہا کی اور کبریٰ میں شادی میں ہوا
 لکھا ہر سید مستحق کیا تو جو وہ حد میں پیش ہو گیا نیک اپنی منتقلہ کی پیروی میں اگر اپنی حالت میں ہوتا۔ ذ

رہائی سے اس کے خیال کا پتہ چلتا ہے

مگر کرم، نسبت جو دکہ برم ؟
 جو مدلم ہم وجود کدہ برم ؟
 گویند کہ جو دہش حق باید کرد
 جو مدلم ہم حق شدم سجدہ کبرم ؟

بس رہائی کا جو بے فرق شیرازی نے اس طرح دیا۔

آنکھ کدہ بشرط نیست قائلہ ز کما
 ایات کند کہ گشت واصل بندا ؟
 دانشد کہ هست ثم بالشد کہ هست
 در مذہب ما ریختن غرض روا

”میتانہ“ کے مطبوعہ نسخہ میں تشبیہی کلمات ذکرہ شامل نہیں البتہ اس کے دو غلط نسخوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اگرچہ ان میں تشبیہی کو نقلی نہیں بتایا گیا ہے لیکن ص ب ذیل منقول آیات سے اس کے نقلی ہونے کا گمان ہو سکتا ہے :

چوں شمع تا بہر تو از زندہ گشتہ ایم
 سر دادہ ایم و باز ز سر زندہ گشتہ ایم
 ما را کہ گشتہ اند بعد ضربت فراقہ
 دیگر زمین یعنی نظر زندہ گشتہ ایم
 ما را چو آفتاب مساوی سے مرگ و زندہ
 گر شام مردہ ایم سر زندہ گشتہ ایم
 تشبیہی از پنج سر ما بریدہ اند
 سر دادہ ایم و باز ز سر زندہ گشتہ ایم

تا غم تبریزی ہے لیکن خاص بات یہ تھی ہے کہ آخر سب اس کے حقیقہ میں غلط پیدا ہوا اور وہ دادہ و الود و گراہی میں چاہتا تو پھر خاموشی اختیار کر لی اور بیس سال تک خاموش رہا۔ یہ تذکرہ ۱۰۳۶ ہجری میں لکھی ہوا اس لیے تشبیہی کے خاموش رہنے کی زندگی تقریباً ۱۰۱۶ ہجری سے شروع چلی چلی۔

دو قلمی نیشا پوری صاحب ”بہار اخبار“ اکبری کے حقیقہ ہدایتی کا بیان ملاحظہ فرمائیے۔

”اس کا نام محمد شریف ہے مگر اس کا والد پھر شخص کے والد سے
 بڑا چاہتا ہے۔ ذہن متوجہ ہے اور نہ مباحی بلکہ وہ حق کے
 پیچھے چلتا ہے۔ وہ تاج کا قائل ہے کہ اس کا نام مباحی
 ہے۔ لیکن وہ میرے مکان پر آیا اور پھر کے قتل کے کوئی کچھ نہ ہو“

۲۔ کہا کہ انہیں یہ بھارے منتظر ہیں کہ کب قلاب انسانی میں اٹکیں۔
مولانا صوفی مازندانی۔ اس کے بارے میں نقی کاظمی کا یہ بیان ہے:

• اجندہ جہلی میں اس کو سیاحت کا شوق غالب چلا تو حوا کیا اور
صوفیوں سے بڑا ربد و ضبط پیدا کیا۔ کچھ دنوں سلوک میں مصروف رہنے
کے بعد شاعری کی لذت متوجہ ہوا اور اس میں نغم پیدا کیا۔ ساتھ ہی پیری و
مدیدی کا سلسلہ قائم رکھا۔ اس کے بعد وہ شیراز میں سکونت پذیر ہو گیا۔
یہاں اس کے مستحق کی تعداد کافی بڑھ گئی لیکن ان ہی اہام میں کثرت
انہما اور لغوی ہونے کا اثر لگ گیا اور اس کی بدنامی کا یہ عالم تھا کہ
جو کوئی بھی اس سے ملتا وہ لوگوں کی نظروں میں کھٹکتے گھٹتا۔ اس کے
اشعار سے اس کے لغوی ہونے کا بخوبی ثبوت ملتا ہے۔ آخر بدنامی اور
سزا کے خوف سے وہ شیراز سے نکل کھڑا ہوا اور اب ہندوستان میں
اپنے ہم وطنوں اور دوستوں کے ساتھ اپنی زندگی اٹینان سے بسر کر رہا ہے۔

”مینانہ“ میں مولانا کے لغوی ہونے کا ذکر تو نہیں ہے مگر وہ دن سے لے کر جو وہ بھی ہے اس سے اس کے
لغوی ہونے کا قلعی گمان ہوتا ہے اس زبانی کے بعض معنیوں کی طرح ”مینانہ“ کا مولف بھی لغوی فرستے کے
مصدق کھل کر گفتگو نہیں کرنا چاہتا مثلاً لکھتا ہے:

استدراے زندگی میں شوق سیاحت کا نغمہ چلا تو مولانا محمد صوفی وطن سے شیراز
آگیا اور ایک مدت تک یہاں سکونت اختیار کر لیا۔ یہیں اس کی شاعری کو
فردیہ ہوا۔ آخر کار ایک ایسی تقریب کی بنا پر جس کا ذکر نامناسب ہے وہیں
وہاں سے بھی نکل کھڑا ہوا۔

۳۔ باقلاطی کے لغوی ہونے کی داستان بڑی دلچسپ ہے اور ہم عمر تذکروں میں پوری تفصیل دے چکے
ہیں کہ منتظر ذیل میں پیش کیا جاتا ہے: فرغات

”راحمہ و فہد شاہ عباس کے ساتھ قزوین سے اسفہان چار مل تھا۔ جب کاشان
پہنچا تو میر سید احمد کاظمی سرگردوہ بسینہ کی کوٹھ اس کے مریدوں کے شاہی
حکم کے مطابق قتل کر ڈالا۔ اس ذمے میں درویش خسرو اور کچھ دوسرے
اس جرم میں تعلق ہوئے۔ سید احمد کاظمی کے خطوط میں باقلاطی کا بھی ایک خط
نکلا جس سے اس کا لغوی ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ جب اس کے قتل کی ہائی
آئی فاس نے شاہ سے معذرت شروع کی کہ میں اس اگر وہ سے ملتی
تھیں رکھتا اور ایک لغوی پر عاشق ہوں اور یہ عشق اس وقت تک
ہمارا دور نہیں چھوڑتا تھا جب تک اس جماعت سے عقیدت ہندی کا اعجاز

دکتر بادشاہ نے اس کا خون صاف کر دیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد وہ ہندوستان چلا آیا اور جہا پور میں ابراہیم عادل شاہ ثانی سے وابستہ ہو گیا۔

میرانا: باقر مرانی میں سید احمد کاشی کے لڑکے کا بھائی تھا۔ چنانچہ جب سید مذکور نقوی مذہب کی پیروی کے جرم میں پکڑا گیا تو باقر بھی زدمیں آگیا۔ جب باقر کے قتل کی باری آئی تو اس نے محمود بیگن کی خدمت میں ایک خط شاہ عباس کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر باقر نے میرے لڑکے کے ساتھ اپنے ارنیٹا کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

اگر از دہا دنی آدم راہم بسوے مطلوب نمی داد بنا بریں دینا این فرقہ در آدم۔

بادشاہ کو باقر کی بیگناہی کا پورا یقین ہو گیا۔ اس کی جان بخشی ہوئی۔ بالآخر وہ کئی بار ابراہیم عادل شاہ کے دربار سے منسلک ہو گیا۔

ماثر توی: ایک بار ایک ایسی تہمت کی بنا پر جو باقر جیسے لوگوں پر بھی صحیح نہیں ہو سکتی اور اس طرح کے موجدوں کو ملحد ٹھہرانا بڑی نادانی ہے۔ شاہ عباس کے حکم سے راجہ موصوف کے بھائی آغا موصوف حاکم کاشان کے پاس ایک سال تک قید میں رہا۔ کترین اکثر اس کے پاس آمد و رفت کرتا۔ یہاں تک کہ اس کی بیگناہی پوری طرح عیاں ہو گئی اور وہ منایات شاہی سے بہرہ ور ہوا۔ کچھ دنوں بعد وہ ہندوستان چلا آیا۔

ان تینوں بیانات کی تفصیلات میں جڑی اختلاف ہے مگر یہ بات پوری طرح ثابت ہے کہ باقر دین نقوی کے جرم میں ماخوذ ہوا اور زند اور موجد کے ہندوستان چلے آئے کی یہ بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

۵۔ حکیم مہاراجہ کاشانی: وہ محمود فضائل کے ساتھ نقوی بھی تھا۔ سنہ ۱۰۰۵ ہجری کے قریب ہندوستان آیا اور اکثر اوقات لاہور میں مقیم رہا۔ تقریباً سنہ ۱۰۲۵ میں جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا اور سرکاری وقیفہ اس کے نام جاری ہو گیا جو اسے برابر ملتا رہا۔

۶۔ عبدالحی بزدی: عرفات کے بیان کے مطابق مہاراجہ ۱۰۲۲ ہجری میں آگئے آیا اور اشد مرگ کی تکمیل سے سو سم ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ رند شرب تھا اور بزدی میں نقویوں کی محبت میں پڑ گیا۔ جب جہانگیر کے دربار میں ملا ہوا تو سہم کے بدلے اس کی زبان پر "لا الہ الا اللہ" کی تائید جاری ہو گیا۔ بادشاہ بہت حسب ہوا ان لوگوں نے محمود بیگن کے املا سے کچھ کا ذکر کرتے ہوئے عبدالحی کو یہ نالی عبادت کا ایک فرد بتایا مگر تحقیق کے بعد اس نقوی جو مشہور قرار پایا۔

یہ موصوف اولیٰ: اس کے تعلق "تذکرہ نعر آبادی" میں ہے:

” وہ خوش فکر شاعر ہے قصور مارا بہت اچھا لکھتا ہے۔ عیس سال سے ہندوستان میں مقیم ہے۔ ترک وطن کی وجہ بہت افادہ ہے مگر عالمی ملیجانے اس کے زہد اور افکار کی قرینیت کی۔“

لکھنے پر آمادہ ہونے سے پہلے اس نے اپنے تئیں قریباً پندرہ سو برس کی عمر بتائی کہ وہ سن ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ کئی بچڑا کے ہلکے میں مائٹری میں ہے کہ اس کی اصل تو ماہ ذہن سے ہے مگر اس کا باپ مشہد میں میں متوطن چھپا تھا۔ قلمی بہت وسیع الشرب تھا۔ اس لیے اس پر مالدار کا اہتمام لکھاتے تھے۔ میر حسن اور قلم پر زاد کو مرادہ نظوی نہیں بنایا گیا ہے لیکن ہم کہ اس زمانے میں نظوی بونہ کو مومو مامو بے دین کہتے تھے۔ اس لیے گمان ہوتا ہے کہ یہ افادہ زندہ و دینی نکلے کے علاوہ کہ نہ رہا ہو گا۔

۹۔ تالیفیں بہت ہیں۔ جن میں پہلی اس کا نام ملتا ہے، بادشاہ کے نام کے ساتھ کیسا کی گویا سے اس نے اپنے تمام رسالوں میں جو نظری بنیاد کے ترجمان تھے اپنے کو بادشاہ کو شخص پروردگار دیتا تھا جس کا عبور ۱۹۰۰ء میں ہو گیا یہ تہذیب غلط فہمی کے حصہ کے علاوہ کے نمٹنے سے حاصل ہوئی ہے اس بات کا ثبوت وہ جو بد بینائی کے قتل سے فراہم کرتا ہے اس نے اتفاقاً کو نظم کا جلد پہنچا تھا اور نصیب کا ایک سالہ مشغول کیا تھا جس میں پہلے اس کا لکھ رہا تھا۔

آخر میں دسویں اور گیارہویں صدی کے ایک بڑے مشہور دانش مند، ادیب اور شاعر میراجا قاسم خاں کی کا ذکر مناسب نہ ہوگا۔ میر فندرسخی زہدیت عالم تھے۔ جو مختلف علوم میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ شاہ عباس اور شاہ صفی کے معاصر تھے۔ قانون و شفا کا خصوصی درس دیتے تھے جن میں بڑے بڑے فاضل شریک ہوتے۔ انھوں نے ہندوستان کا بھی سفر کیا اور یہاں بھی ان کے طرفین کا مشہور قایم رہا، آخر میں وہ اپنے وطن ایران لوٹ گئے، ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ ان کی تصنیفیں ہیں جن میں سے ایک ایک شاعری ہے۔ ان کا ایک مشہور قصیدہ نعت نامہ و چھاپا میں لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

چرخ باہینا اختران نور و خوش زیاست
صورتی در زیر طار و ہرچہ بر بالاست

میر فندرسکی سامانِ مہار کی معاشرت سے اعزاز رکھتے تھے۔ غزوا و الجو عالم کی مجلس اُن کو پسند تھی۔ ہر شے کے لوگوں کے پاس ان کا اُٹھنا ہوتا تھا۔ مونا چھوٹا کھانے اور کمر درے کا لباس پہنتے۔ عام لوگوں کے مجمع کی وجہ سے وہ شاہ عباس کی تقریب کھتے اور اُس نے تحقیقات کی نواسے کوئی چیز قابل گرفت نہ ملی۔ صاحبِ دستخانہ المذہب کے بتوں لکڑی گھس کے مہیوں سے ان کی راہ و گمراہی اور وہ ان کے خیالات سے متاثر تھے۔ آذکر یہاں کو بھی قلعہ اکبری ہد سے تھا اور وہ دست پر تحریک کے کھیل میں تھا۔ پہلے سازوں کی ایک جماعت تھی جنھوں نے دساتیر جیسی کتاب لکھی جس کی زبان سن گوت اور میں کے مطابق خود مسافر اس کے ہاوم و ہزاروں ایرانی اور ہندوستانی ادیب و شاعر اس کے جمل میں پہنچے اور ہر طرح پہنچے پہلے محبوب شاعر غالب بھی اس کے چکر میں آ گئے تھے۔

اگرچہ میر فندرسکی پر آکھ کہ ان کی تحریک سے کسی حد تک متاثر تھے۔ یہ حال اس پر فزیب تحریک سے متاثر چھپنا ہی نہیں بلکہ اپنے گھنے کے متروک سے، نظوی تحریک بھی اس دور کی ایک جماعت و مسلم تحریک تھی جس کی آواز خیالِ عرب الشیخی تھا، کیا محب کہ میر فندرسکی بھی اس کا اثر انداز تحریک سے بھی متاثر ہیں اور نظوی ان سے ملے جلد رکھتے ہیں، یہ قیاس قضیہ طلب ہے۔

صرف لئے کیا فطریوں اور دفع فطری کی پیروی کے ملزموں کے ہم کم کو معلوم ہیں جو ایران سے بہانہ کر ہندوستان میں پناہ گزین چلے گئے تھے لیکن اگر تارکینِ اندکروں اور گیارہویں صدی ہجری کی دوسری قریبوں ملین معاملہ کیا جائے تو اور بھی فطریوں کا حال معلوم ہو جائے گی کی توقع کی جاسکتی ہے۔
اس مقالے کے ذریعے لوگوں کی توجہ پر ایک ایسی اہم تحریک کی طرف منطقت کرنا مقصود ہے جس کے بارے میں 'ری معلومات بہت کم ہیں لیکن جس کی اہمیت ہندوستان کی تاریخی و تہذیبی مطالعے میں کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔

ہندوستان میں اکبر کی اور معاہدہ ایران میں شاہ عباس کی مذبہ پالیسی کی نسبت سے یہاں چند باتوں کا احوالہ ضروری معلوم ہو رہا ہے۔ اکبر شروع میں اسلام کے شاعر کا پاسدار تھا۔ رات رات اس کی مذبہ پالیسی بدلتی تھی اور وقت دین لکھی تک پہنچی، اس کا دوسرا مذبہ آزاد خیالی کے اعتبار سے اپنی آپ مثال ہے۔ معاہدہ ایران میں مسوی دود مذبہ پالیسی تسبیح کی تبلیغ اور اس کو فروغ دینے پر مرکوز تھی، چنانچہ پورے ایران میں تسبیح کی تبلیغ کمپنیاں برقی ملنے لگی اور بزرگ شہر شیر پناے ہانے کے واقعات عام ہو گئے۔ مذبہ کی آزادی باقی درہ لکھی اور جو لوگ آزاد خیالی کا جوبند کرنا چاہتے تھے وہ بڑے شکنجے میں تھے، انھیں اس فطری تبلیغ بھی شامل تھی۔ وہ اپنی مذبہ کی آزاد خیالی کے باعث جبری طرح قتل ہوئے۔ اگر خود آکا خیال تھا اور فطریوں کی آزاد خیالی سے کافی متاثر، ہندوستان کی پختا پائی فطریوں کے لیے نہایت سازگار تھی اور وہ ایران کی سختی سے تنگ اگر ہندوستان آئے۔ اکبر کہنے کو تو شاہ عباس کا یہی خواہ نظر آتا ہے لیکن وہ اس کی مذبہ پالیسی سے متاثر تھا۔ اسی لیے اس نے ایک طرف اور اس فط شاہ عباس کو دکھایا ہے جو اس کی مذبہ پالیسی کا عواہ داخلی ہو یا خارجی آئینہ دار ہے۔ وہ شاہ عباس کو بن گیا کھیت لٹا ہے، پھر وہ صلح کل اور سارے بنی توقع کے ایک ہونے کا پیغام دیتا ہے۔ اس خط کے بعض حصوں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

”اس طرف کے آنے جانے والوں سے ایران اور اہل ایران کے اضطراب حال کی داستان میں سے اہلینِ خلا جو تاملنے میں نہیں آتی ہے آؤ آپ جیسے پاک خواد (یعنی شاہ عباس) کے ضمیر مبارک کے حالات ظاہر نہیں ہوتے، جب کہ میرا دل پورے اخلاص کے ساتھ آپ کی اپنے عقد میں کامیابی کی خبر سننے کا مشتاق ہے۔ امید ہے کہ آپ عزامات کا سلسلہ جاری رکھیں گے اور ہر روز کے حالات سے مجھے مطلع فرماتے رہیں گے اور کچھ جب کہ ایران میں تجویز کار اور دور میں دانش مند کم دکھائی دیتے ہیں۔ آپ جیسے پاک خواد فرما کر اکوٹھی انعام اور بہبودی عوام کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے اور ہر کام میں ہماری مدد و جوش مندی اور عاقبت اندیشی کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔“

تہذیب و تمدن کا جسٹے ملازمین کی خوشنودی اور کوتاہیوں کی طرف اغماض
 برتنا چاہیے۔ جلسہ اور منافقوں میں امتیاز برتنا چاہیے، آدمیوں
 کے اہل اور بنیان رہی، کے اہل میں بڑی اذیت کرنا چاہیے۔ آخر
 ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے غلامین خود غرض دشمنوں اور غلاموں کی
 جلد پر دازی کی دولت سادت سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات
 انہیں غلامیاء اہل بکری بنا دیتا ہے۔ بہت سے دوست خداؤں کی مصیبت
 کا لباس پہن کر اس دولت کی تحریک میں کوشاں ہوتے ہیں۔ فرشتوں
 کے لیے آدمیوں کی خیر کا پہچانا بہت ضروری ہے۔ عارضی دنیا کی بے نیابت
 دولت کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کا سامنہ قرار دینا چاہیے اور انسان بقدر
 تعالیٰ کی خزانے کے تاباں ہوا ہے۔ ان پر شفقت اور عنایت کی نظر
 ڈالنی چاہیے اور ان کی تالیف مملوب چاہیے، رحمت عامہ میں سہولت و
 مذہب کے توتوں کو شامل رکھنا چاہیے اور انتہائی محبت و شفقت کو
 کام میں لا کر ”سچ مصلح“ کے سدا بہار نقش میں داخل ہونا چاہیے اور
 اپنی دولت افزائی کا مطالعہ اپنا نصب العین بنانا چاہیے جب خدا کے
 تعالیٰ نے اپنے ”مختلف النیال“ اور ”مختلف الاحوال“ بندوں پر
 پریشانی کا درخانہ کھول رکھا ہے اور وہ ان کی ہر حال میں پرورش کرتا رہتا
 ہے تو سلاطین پرچہ نگہ خلق اللہ ہیں، لازم ہے کہ وہ انسانی مہر و
 کا طریقہ اپنے ہاتھ سے نہ جاننے دیں، خالق عالم نے سلاطین کو طبقات
 انسانی کے اصلی درجے پر فائز ہیں، دنیا کے اشخاص اور مخلوق عالم کی
 ہر سبائی کے لیے منتخب کیا ہے کہ وہ طبقات کے ناموس اور اصول کے
 محافظ ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ جب آدمی دیدہ و دانستہ دنیاوی
 کام کے اقتدار سے جو ناپائیدار اور فانی ہے، غلط نہیں کرتا تو دین و
 مذہب کے کام میں جو باقی رہنے والا ہے کیوں تساہل برتنے لگا۔
 پس ہر طبقے کا حال و صورتوں سے الگ نہیں یا وہ حتیٰ بحال ہیں
 تو اس صورت میں منصف عامل کو بجز اطاعت چارہ نہیں اور اگر
 کسی کام میں ان سے کسی کام میں سہو یا اغزش ہوئی ہے یا نادانی
 غیور میں آئی ہے تو یہ شفقت و رحمت کا مقام ہے، شور و غوغا
 کا نہیں، فراغ و صلہ ہونا چاہیے۔ اس کی برکت سے صورت و محی
 میں وسعت اور عرو دولت میں اضافہ ہوگا۔ ان دولت افزا اصول

کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کم فریق کے مواقع اور وقت فطری کے غلبہ کے وقت دوست و دشمن
 دشمن کے گمان میں باہمال نہیں ہوتے اور دوست نہ دشمن کے منکر و
 فریب کی گرم بازاری نہیں رہ جاتی، کوشش و عمل کے مسند پر خود بیٹھا
 چلے ہے کہ یہی سلطنت کے ستون کی بنیاد ہے، عمل و بردباری کو اپنا
 دائمی مصاحب بنانا چاہیے کہ دولت کا بیدار کی اساس اسی پر قائم ہے۔
 اکبر کے اس فرمان کے دو جواب مرتب ہوئے تھے، ایک کا لہجہ سخت اور دوسرے کا نرم تھا۔ یہ آخری اکبر
 پاس لے سالی کیا گیا تھا، اس میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

نصایح دلپسند و پند سودمند کہ متغیر مصالح دین و دولت بود
 بمشاہد افکار منشیان بلاغت نشان بکبر اہر ز فہر مکت علی و نظری حریف
 مزین و آراستہ بود۔

- دوسرے میں داخلی و خارجی امور کے ذکر کے بعد دو باتیں خصوصیت سے قائل ذکر ہیں۔
- ۱۔ بخارا اور ماوراء النہر کے دوسرے علاقوں میں دو زندہ امام کے
 نام کا خطبہ اور سکہ جاری ہو گا اور اعلیٰ دین پر برتر اروج ہو گا۔
 - ۲۔ صلح کی کل سقید کے مہاز کی یہ صورت ہے کہ اشتیاع دین کے ہر نی نے
 جنگ کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔

حوالے

- ۱۔ دہلوی اور مبلغ الرجال میں پیرزنی ہے لیکن صحیح پیرمائی ہے۔
- ۲۔ جزئیاتی پیرن ۲: ۵۲۔
- ۳۔ ایضاً ص ۸، ۲۸۳۔ غیر الدین مرثی کی تاریخ غیلان و دہلیان میں اور عبدالفتاح مولوی نے تاریخ غیلان
 میں کئی جگہ پیرن کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیے۔ آئینہ ذکر کتاب ص ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۶۶ و فیرو۔
- ۴۔ "نظریان با پسندین" ذکر صادق کیا، ص ۳۔
- ۵۔ سید فضل اللہ اسد آبادی باقی ذکر مؤلفین۔ وہاں قرآنی کوئی نئے انداز سے تفسیر کرتا۔ اس کی
 تفسیر کی بنیاد موقوف کی اساتذہ پہنچی ہے پھر کے بڑے میران شاہ کے حکم سے ۸۰۰ میں تفسیر چھاپا (فرنگ مین
 ۳۶۹: ۱۶)
- ۶۔ نسوہا پیر پرنہ، ذیلی حالات فضل اللہ۔
- ۷۔ منتخب احادیث بدیعینی۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۰۔
- ۸۔ جہنم۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۰۔

- ۴۵ ہانی خندان جبر بیان - ۴۴۱ - ۴۴۰
- ۴۶ عرفات الماشہین میں شائع شدہ رسالے ہیں -
- ۴۷ نسخہ اصل: نقد معالجہ -
- ۴۸ اس کے دو نسخے ملتے ہیں، ایک ماہہ یا آس لندن میں دوسرا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مولانا آزاد لائبریری میں -
- ۴۹ خواجہ حبیب اللہ کی پندرہویں حضرت ہانی باشندہ کے خلیفہ خواجہ حسام الدین کے یہاں چلی۔ آخر الذکر کی بیوی شیخ مبارک کی بیٹی اور ابو الفضل کی بہن تھی۔ اس نے خواجہ حبیب اللہ سے ابو الفضل کے بارے میں مبلغ ارباعالہ میں جو لکھا گیا ہے وہ کافی اہمیت رکھتا ہے -
- ۵۰ نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ - ورق ۳۱ - ۳۲
- ۵۱ ڈاکٹر بیانیہ ۳۱۱ء مکس ہے (نقطہ یافہ ص ۵)
- ۵۲ دبستان ۱۱۱۱ء ص ۳۰۰ - اس کی ایک بڑا دیباچہ یہ ترکی کے کوہ ہزار سے نکلنے ہے۔ ایران وقتان کے
- ۵۳ دبیانہ بیہا ہر اکبر فرمیں کرتے ہیں۔ اس کی لہجہ ۱۰۰۰ کو میٹر متائی جاتی ہے (فرنگ معین ج ۱ - ص ۱۲۰ - ۱)
- ۵۴ دبستان میں ہے کہ ایک "واحد" کے بقول حافظہ بھی نقوی تھے -
- ۵۵ ماثر اللہ ص ۲۰۵ ذیل حالات بیر شریف ضلعی میں اس کو بلور غلامہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مرید کہتے ہیں کہ جب حضرت محمد سلوکا بندہ کامل تر ہوئے تو اس سے محمود کی تخلیق ہوئی۔ بیشک مقنا محمود اس کی شہادت ملتی ہے۔ وہ خاک کو نطفہ اور میدا اول جانتا ہے اور نفس ناطقہ کے تجدد کا قائل نہیں ہے۔ وہ ربیت و توحید کا پابانہ رکھتا ہے۔ اس کے مذہب میں مجرد واحد اور تالیف امیہ ہوتا ہے۔ محمود مہدی محمود چھٹے کا دوسرے دار ہے -
- ۵۶ قرآن کی آیت ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴

”محمود دہریہ ملاحظہ کی جہات سے تعلق رکھتا ہے اور منہج پر مدہ کا قابل ہے۔ اس کی ایک کتاب میں ہر جگہ ”لائۃ الکرب الہینو“ اور ہر نقطہ کے چھ سلتے ہیں۔ ہمارا ”تھوٹا“ پابجیانیہ ہے

نظر بان پابجیانیہ ایفا

پنجانیہ گیلانی کا ایک قریہ ہے، اس لیے مصنف نے اسے محمود گیلانی لکھا ہے۔

اصل فارسی متن میں ”جز“ ہی ہے۔ یہ لفظ ہندوستانی اثرات کا خاندہ ہے۔

تقی اودھی صاحب عرفات اس مشفق کو ادبی سے اختلافات تھے اور دونوں میں کئی بار علی منافرے بھی

ہوئے تھے۔ دیکھیے عرفات نسو، فعلی ہائی پر پٹنہ۔ ورق ۱۲۵-۱۲۶

بیاض الشرا تالیف دار و افغانی نسو، فعلی کھنڈ۔ ورق ۳۳ ب، نسو، اکسب خانہ مولانا آزاد

ملک لکھ، ۱ ص ۷۲-۷۳

مولف ہفت اقلیم (نسو، کھنڈ ورق ۳۳ ب) ان عبد الہائی نہادندی صاحب مآثر رجبی (۲۵)

ص ۱۴۹) اس بات میں صاحب عرفات سے متفق ہیں کہ امری اندھا کو، یا گیا تھا گو آفر اند کو، یا

پر لفظی چوٹے کا الزام کھنڈوں کی افزا پر دازی ہے۔

ذیل واقعات نہر صد و ہشتاد و سر۔

ایر خان مصلوٹر کمانڈ کے لیے دیکھیے عالم آرای عباسی ص ۱۲۵، ۱۳۹، ۱۶۶ و دیو۔

آغازی ملاوہ انداز قر و بی کو بیٹا، درجہ ان کا متفقہ ماموں کاشان کا حاکم۔

خلاصۃ الاشعار فعلی ((انڈیا آئن سنلٹ نمبر ۳۹)) ورق ۷۳۔

۱۹۹۳ء کے گئے ہوئے نسو میں ((انڈیا آئن نمبر ۳۹)) ”العل“ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلاصۃ الاشعار کی ہندوستان میں مرتب ہوا تھا۔ فتح انجمن ص ۱۳۳-۱۳۵ میں ہے کہ

اگرچہ ہر نقطہ میں دیکھیے نظریہ کا سرگزشتا مگر آفریں تائب ہو گیا تھا، جہاں کاشی جانی گیلانی سے لگا ہے۔

عالم آرای عباسی ج ۱- ص ۴۳، ۴۴-

عالم آرای میں دوسری جگہ وہ نظریہ کا سرگزشتا بتایا گیا ہے۔

یہ تہرانہ پنچہ شی کے انتقال کے ایک مجبور (نمبر ۲۶۹ ص ۱۵۲-۱۵۳) میں ہے۔

خلاصۃ الاشعار نسو، جیسے شروای علی تہران

خلاصۃ الاشعار ذیلہ شروای کاشان۔

ایفا ذیلہ شروای استہانیہ۔

تفصیل کے لیے دیکھیے عالم آرای عباسی، مدنیہ جہاں نسو، خلاصۃ الاشعار، عرفات اس مشفق کا تہرانہ

مخاند و فیو۔

۱۷۹. مینڈ ستر، علی گڑھ ورق ۳۹۰ (کی رو سے وہ قزوین میں قتل ہوا۔
 اگرچہ ابو الفضل کے خط کا ذکر عالم آرائی عباسی ج ۲ ص ۳۲۵ اور مآثر الامراء ج ۲ ص ۳۸۸-۳۸۹
 میں ہے لیکن سید احمد کے سیکڑوں مقتدیوں کے قتل کیے جانے کا ذکر سامعہ بزرگوں میں منسلک ہے۔ مثلاً دیکھیے
 وفات السلاطین ورق ۱۵۶، بیانہ (علی گڑھ) ورق ۲۹۰، مآثر عباسی ج ۳ ص ۹۲۔
۱۸۰. عالم آرائی عباسی ج ۱ ص ۲۰۶۔
 خاتمہ دستاویز نہیں ہے، لیکن اگرچہ ایک فرمانہ تہان یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے، اس سے واضح
 ہے کہ ابو الفضل ایرانی نقشبندیوں سے ربط منقطع رکھنا تھا۔ خاص طور پر درویش خسرو کی اس نے بڑی تعزیر
 کی ہے۔
 نظم بیانہ کے ... کے نکلنے کے واقعے سے بہت پہلے ۹۸۵ھ میں وہ ہندوستان چلا آیا تھا۔ (دیکھیے
 جاپونی ج ۲ ص ۲۳۵)۔
۱۸۱. ایضاً جلد ۲ ص ۳۲۹۔
 منتخب مستدرج جلد ۲ ص ۲۴۵-۲۴۸۔
۱۸۲. مآثر الامراء جلد ۲ ص ۲۸۵-۲۹۰۔
 ایضاً جلد ۲ ص ۲۸۵ تا ۲۹۴۔ مآثر الامراء میں دو تین باتوں کی مزید تفسیر ہے۔ اول عالم آرائے
 عباسی کے واقعہ قتل عدم نظم بیانہ (۱۰۰۲ھ) کی وضاحت ہے کہ کس طرح نہ عباس کی حکومت کے دفع کے لیے
 جس روز یحییٰ بن محمد کو قتل کر دیا اور پھر قتل کیا
 وہ دو بول خسرو بن نقشبندیوں کا سر نہ تھا، نقشبندی ہمہ میں قتل ہوا۔ آخر میں ۱۰۰۲ھ میں مرید احمد کاظمی اسی
 جہ میں قتل کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہزار باغی موت کے گھاٹے ٹکانے دیے گئے۔
 عالم آرائے عباسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قتل عام کے بعد مرید غریب آملی وارد ہند ہوا، لیکن یہ
 صحیح نہیں، میر ۹۸۵ھ میں دربار اکبری سے وابستہ ہوا ہو گا۔
 محمود پشیمانی کے عقاید کی تفسیر جلد ۸۰۰ میں اپنے عقاید کی تبلیغ میں معروف ہوا۔ کہتے ہیں کہ میر
 جسد کامل ہوا اس سے محمود کی تخلیق ہوئی۔ بیشک خانا محمود سے یہی نتیجہ نکلتا ہے، خطے سے خاک ہو
 جے۔ وہی سدا، اولیٰ ہے۔ اسی سے دوسرے غلام کی تخلیق ہوئی۔ افلاک کا بھی شمار غلام سے ہے۔ و
 نفس ناطقہ کے گرد کی طرف متوجہ نہیں، رجت و ناطقہ کا قابل ہے۔ اس طرح میں غیر شادی شدہ "امیر
 اور شادی شدہ "وعدہ" ہے، ان کا سلام اللہ اللہ ہے۔ محمود اپنے کو ہمہی و خود کہتا ہے۔ دینی
 منسوخ ہوگا، اب دین محمود و دین ہے۔

- دیکھیے فرمانفو کا متن جس کا ترجمہ انہی نکل چکا رہا ہے۔
- یہ فرمان "دفتر ابو الفضل" دفتر اول، ذیل کشور ۱۲۸۰، ص ۳۲ تا ۳۳ نکل ہے۔
- جانی بیگ فرمانو اسے سند و کثرت۔ دیکھیے (۱) ص ۱۰۰
- عالم آراء عباسی ج ۱ ص ۱۰۰
- آتنا ایسی کو جمع ہے، غلطی فرمے کہ ایک اصطلاح ہے جس کی رو سے اسناد وہ نکل جو شادی شدہ ہوں، غیر شادی شدہ "واحد" کہلاتا ہے، غلطیوں میں واحد کا درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ "آتنا" عام غلطی برائت کے معنی میں مستعمل ہے۔
- بلخ قوی یہ سال ۹۹۴ء ہے جو اکبر کی حکومت کا ۳۱ واں سال ہے اور آدراہ ستمبر سے اپریل ستمبر ۱۵۸۱ء میں جو ۱۹ شبانہ ۹۹۴ء کے مطابق ہے یہ فرمان جلدی چڑھا گیا۔
- میر شریف کے متعلق "عرفات عاشقینہ" میں لکھا ہے۔
- "دراوایل قلندرانہ و جہانہ سیاحت می نمود۔ چون بلازت اکبر شاہ رسید بہ سلطنت و امارت قیام نمود۔ گویند از اسناد پسنائی پودہ" البتہ "خلاصۃ الاشعار" میں میر کا تذکرہ شامل نہیں ہے۔
- "مکتب التواریح" جلد ۳۔ صفحہ ۲۰۴۔ ۲۰۷۔ یہاں اوراق بے ترتیب ہیں۔
- نسخہ دولان ہند نمبر ۹۹۸ اوراق ۵۳۔ ۵۴
- نسخہ کتاخانہ ملک (زہرا) اور نسخہ کتاب خانہ (مسلم ہونڈی)۔ "میزان" کے قلمی نسخوں کے زائد مطلب ماقصوف کی طرف سے اور نیل کاغذ میگزین، لاہور کے تین خاندانوں (نمبر ۵۶، فروری ۱۵۰۵، ص ۱۵) میں شائع ہو چکی ہیں۔ قصبی کا حال آخری شمارے کے صفحات ۱۰۶ تا ۱۰۹ پر ملے گا۔ "عرفات عاشقینہ" (ورق ۱۲۵) کہ اس عبارت میں اس کو "ملائی" بتایا گیا ہے:
- "ہیشہ در گورستانہ ہر مردی، و بیوستہ در زمرہ ملائیمہ برآمدی و سنگ لہذا المانی پر پشت چڑھائی سلوک خودی"
- "نظم گزیدہ" ورق ۲۲۵ الف
- مکتب التواریح جلد ۳۔ ص ۳۶۸۔ ۳۶۹۔
- اس تاریخ کا ایک رو فرمان مسلم یونیورسٹی شبرہ تاریخ میں موجود ہے۔
- خلاصۃ الاشعار کے ۹۹۳ء جلدی کے نسخے میں ملانا کمال حال نہیں ہے۔ البتہ اور تمام نسخوں میں موجود ہے
- شکلا ملاحظہ فرمائیے ہند نمبر ۹۹۷ ورق ۷۱ ب بید
- تقریباً ۱۰۱۰ء جلدی۔

۱۱۱۱ - وفات: نے اسی کا بدگونا گویا سے ملاقات کی تھی۔ وفات سے معلوم ہوتا ہے کہ آفریقہ
اس کی قسمت تھی۔ یہاں تک ہنر و گورہ تھی کہ وہ نیکری کے مرض موت میں بھی ایسا مبتلا ہوا
میں شریک ہوا تھا۔ (مرتبہ بھی بعد ۳ ص ۶۱) ابتر نام تبریزی نے (نظم گزیدہ ۱۵، ورق ۲۷۶) ۱۱۱۱
کی فتویٰ نے کا ذکر بھی کیا ہے۔

مطبوعہ ص ۳۳۵

۱۱۱۲ - ورق ۱۵۱ الف

۱۱۱۳ - سنی ترکشہ دوزو ہے جس کو شاہ عباس کی دوست کی گھڑی دور کرنے کے لیے تیغ و زینت نصیب
کرا گیا اور پھر قتل کیا، عالم آراے عباسی میں حکیم رکنائے کافی کے یہ اشارہ جاسی موت کی مناسبت
سے ملے گئے تھے، درج ہے:

شاہ قلی کو در اس وقت تو خزاں
خداورد لم یزوسی و سلقشہ
پہلیں بحر رفتہ پیش او بہر
نمک سبکہ آدم بکرم حق شیطان
ہزار ملحدی ہوں پرستی مسلمان کرد
دوبیت قدر شالی کدشہ خوں کرد
ہی کو کفر و شہادشاہ ایران کرد
ولہم ز آدم سبوح شیطان کرد
عالم آراے عباسی ۱۵ ص ۳۴۴۔ ۳۴۵۔

۱۱۱۴ - "کتاب الفہرست" اور "مصفی الہدایہ" میں بھی میرزا کا ذکر مضافاً آگیا ہے اور دونوں جگہ اور محمود ملحد کا بیرو
(اساتذہ بتایا گیا ہے۔)

۱۱۱۵ - نسخہ نقلی ورق ۲۹۰۔ بعد

۱۱۱۶ - جلد ۶ ص ۷۶۲۔ نام تبریزی نے اس کو فتویٰ تو نہیں بتایا ہے مگر طریق انصاف و حسن عقل یہ ہوا کہ
کی کہ وہ کامیاب کا ذکر کیا ہے۔ (نظم گزیدہ ۱۵، ورق ۲۲۱ الف) "خلاصۃ الاشارہ" میں باقر کافی کا تذکرہ شائع
نہیں۔ ابتر اس نام کا ایک اور خاکہ شامل ہے۔ خانہ آرزو نے "کتاب الفہرست" (ورق ۵۰۷، ۵۰۸) میں باقر کے
ماخوذ نام کے کی داستان بھی تفصیل سے بیان کی ہے جو موت و وفات کے بیان کے مشابہ ہے۔

۱۱۱۷ - "مرآت عاشقین" ورق ۵۰۰ الف

۱۱۱۸ - ورق ۱۲۵ الف

۱۱۱۹ - تذکرہ غفر آبادی ص

جلد ۲۔

۱۱۲۰ - "تذکرہ غفر آبادی" جلد ۲ ص ۲۸۶۔ ۲۸۷

۱۱۲۱ - اس کے موت کے لیے دیکھئے "نصیر و دہخدا"۔ "ابصار"۔ "مناہج"۔ "فرنگ" میں بھی ہے۔

نصف مقدمہ برگشتہ، جنم پرہمیسر سید امین مادی۔

نصف جوگہ بشتہ سنکرت زبان میں ایک فلسفیانہ تصنیف ہے جس میں حصول معرفت کی تلقین ملتی ہے

(دیکھیے مقدمہ ایضاً)۔ اس کو نظام الدین چشتی نے سلطان سلیمان بیک کے لیے اکبر بادشاہ کے مہذب ۱۶۰۶ء

میں فلادی کا نام دے کر بنایا تھا۔ اس کے تحت ہے۔ ایک نسخہ کتاب خانہ مکتوبہ دانش گاہ تہران زیر قلم ۱۲۶۶

موجود ہے۔ پانی پتی کے ترجمے کے بعد دارالعلوم کے زیر نظر ۱۰۶۶ء میں جوگہ کا ترجمہ دوبارہ فلادی میں ہوا۔ پرہمیسر

سید امین مادی اور ڈاکٹر تاجپور کی شرکت میں اس کی نئی ترتیب دی گئی۔ ترجمہ پرہمیسر مادی کی طرف سے

۱۹۶۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے مقدمہ میں بہت مفید باتوں کے علاوہ برگشتہ کا مختصر درج کر دیا گیا

۱۰۰۰ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ اطلاع منتظر دہخدا سے لی گئی ہے۔

نصف فہرست نمونہ برطانوی ریلوے ۳۵۰-۸۱۶-۸۱۶ء میں دہلی کے ۶۰۰۰ء کے انگریزی ترجمہ ۱۹۰۱ء

ج ۲ ص ۲۰۵-۲۰۶ کا حوالہ ہے

نصف ایک ہزار لکھی مالم تمام قبیلہ از یا اس کے قریب کدہ بنے والا تھا۔ بعد ازاں مریلوں کے ساتھ ہندوستان ہلا آیا اور

ایک ایسے مذہب کا بانی ہوا جس کے اجزائے ترکیبی 'اعلام' 'ہندو' 'میسائی' 'زرتشتی' 'مذہب یونان' 'سماغوتھی' 'اسکندریہ' 'کلاسیک'

کاتب دی گئی تھیں۔ تمام کتب کے نام لکھے گئے ہیں۔ اس کی تصانیف ۱۰۲۰ء میں چھپ گئی تھیں۔

(فرنگی نہیں ۱۲ ص ۱۰۰) منتظر دہخدا ۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

۱۰۰۰ء میں دہلی میں کدہ کیل کدہ پر ہندو کی اسامیوں کو سامنے لایا ہے۔

- ۱۷۷۔ یہ اُبہک رسد کی پائیس کا بنیادی اصول تھا۔ دیکھیے رضوی — *Religious and Intellectual History of Nations* ص ۲۵۱۔
- ۱۷۸۔ اُنہد کے بندوں پر ظلم اکبر کے فرمان میں انہدیم بنیاد ربانی کے فقرے سے یاد کیا گیا ہے۔
- ۱۷۹۔ اس سلسلے کی مفصل بحث کے لیے دیکھیے ریاض الاسلام *Indo Persian Relation* ص ۶۳-۶۵۔

ہیں تو گو کہ کسانے عقائد و کلیات پہلی کے پیر احکام و فرائض کی تفصیل بیان فرمائی۔
 جس طرح ایمان سے حکمت اور کلیات و عقائد سے واقفیت ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح تفصیل سے اس
 کی دست نام، دقت نظر اور جزئیات سے باخبر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں جائزہ تفصیل و ایمان کا اسلوب ملتا ہے اور اس کا ایک عالم قاعدہ و اسلوب یہ ہے کہ وہ
 پہلے ایک مضمون کو اجمالاً بیان کرے، پھر اس کو شرح و بسط اور تفصیل سے پیش کرے۔ اس نے اپنی اس خصوصیت
 تفصیل بعد اجمال کا ذکر مرثا اس آیت میں کیا ہے:

کِتَابٌ اَمْلَکْتَ اٰیَاتِہٖ ثُمَّ تَفَصَّلُ بِہٖ فَاِنَّکَ عَلٰی شَیْءٍ مُّحِیٖمٌ (ہود: ۱)
 ۱۔ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے حکم کی عینیں پھر خدا کے علیم و فہیم
 کی جانب سے ان کی تفصیل کی گئی۔

۲۔ سورہ ہود کی پہلی آیت ہے جو اپنے سے پیشتر کی سورہ ہود کا شتم ہے، ان دونوں سورتوں کے مرکزی
 مضمون میں کہ زیادہ فرق نہیں ہے البتہ اجمال و تفصیل اور بحث و استدلال کے اعتبار سے دونوں کا ہیچ ایک ہلکا
 ہے۔ سورہ ہود میں جو باتیں اجمالاً بیان ہوئی تھیں مثلاً گزشتہ قیامتوں کی سرگزشتیں۔ وہ اس سورہ میں تفصیلاً
 بیان ہوئی ہیں۔ مذکور بالا آیت میں اسی حجت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دونوں سورتوں کو بغور پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہے
 پہلی سورہ میں جو پہلو ہمیں رونے لگتے تھے وہ اس میں وضاحت سے سامنے لائے گئے ہیں۔ احکام کے معنی کسی چیز
 کو ابھی طرح نہ سمجھ دینے اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ اگر پہلے کو خوب کاٹھ دیا جائے اور وہ گت ہو جائے تو یہ لفظ
 کے لیے بھی آئے گا، قرآنی آیات کے لیے اس لفظ کے استعمال سے مقصود اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ قرآن
 مجید کی تعلیمات پہلے گھٹے سے گھٹے اور جامع جملوں کی شکل میں نازل ہوئیں پھر بتدریج وہ واضح اور تفصیل پنا
 گئیں۔ جو یا مدنی دعو میں دین کی بنیادی باتوں نے ایک جامع اور ہمہ گیر نظام زندگی کی شکل اختیار کر لی ہیں۔ سورہ
 ہود کی پہلی ہی آیت میں بطور تفسیر قرآن مجید کی یہی خصوصیت بیان ہوئی ہے کہ لوگوں کی تعلیم و ہدایت کے مقصد کو
 سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس شکل میں آجڑا ہے کہ پہلے صرف بنیادی اور اصولی باتیں گھٹے سے گھٹے الفاظ
 جملوں میں اختصار کے ساتھ پہلی کی گئی ہیں۔ پھر بتدریج انھوں نے تفصیل کا قالب اختیار کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ قرأت کے واسطے میں ترتیب و تدریج اور احکام و تفصیل کا یہ انتظام
 جیسے بلکہ اس کا بظاہر یک و دفرا نازل ہوا ہے، آیت کے آخر میں خدا کی جو دو حقیقتیں بیان کی گئی ہیں وہ مقابلہ
 ہیں۔ ان کا منشا یہ ہے کہ غلطی سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا بڑے ہے کہ وہ حکمت کے خزانوں کو کسی طرح مختصر لفظوں میں
 کر دے اور پھر اسی غیر ذلت کی یہ شان ہے کہ وہ ان کو کھول کر دکھائے کہ ایک کون سے میں کتنے سمندر اور

بند ہے۔

قرآن مجید کے اس اسلوب تفصیل بعد اجمال کو مزید واضح کرنے کے لیے ہم اس سے بعض مثالیں
 پیش کرتے ہیں۔ سورہ بقرہ کی ایک آیت ہے،

بَشَرِيٍّ لَمْ يَنْزِلْ مِنْ سَمَاءٍ مِثْلِهِمْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَى الْأَرْضِ فَلَمْ يَكُنْ
 كَقَرَأِ أَوْ رِيًّا لَوْحٍ مِثْلِهِمْ مِنَ الْأَمْثَالِ لَوْحٍ مِثْلِهِمْ مِنَ الْأَمْثَالِ
 أَوْ مِثْلِهِمْ أَمْثَلُ الْأَمْثَالِ مِثْلِهِمْ خَالِدُونَ (البقرہ: ۲۵۷)
 ۱۔ اشدان لوگوں کا کارساز ہے ہر ایمان لائے وہ ان کو تدریکوں سے
 روشنی کی طرف لانا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کے کارساز طاغوت
 ہیں۔ وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں میں کر دیتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخی

ہیں۔ یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اس آیت میں جو بات مجھ کو مل گئی ہے اس کے بعد کی تین آیتوں میں تفصیل کے اسلوب میں اس کی تفصیل بیان
 کی ہے، اس سلسلے میں تین اشخاص کے کردار زیر بحث آئے ہیں اور یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح اشد مومنین کو تدریک
 سے نکال کر روشنی میں کر دیتا ہے اور کافروں کو ان کے اولیا روشنی سے محروم کر کے تاریکیوں میں ڈھکیں دیتے ہیں
 پہلے ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو اقتدار و حکومت کے نشے میں سرشار ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اسے روشنی میں
 دیکھا جاتے ہیں لیکن وہ بحث و مناظرہ پر کمر بستہ ہو جاتا ہے اور طاغوت کے ہتھے لگ جاتا ہے۔ گو حضرت ابراہیمؑ
 دلائل و براہین سے اسے مبہوت اور لا جواب کر دیتے ہیں مگر وہ معارضہ اور کٹ مچتی کی وجہ سے اپنی ہمت
 بچنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

دوسرا شخص نیک نیتی کے ساتھ یقین و بصیرت کا طالب ہوتا ہے۔ اس لیے وہ سرشتی اور مناد سے بحث
 جدال کا طریقہ اختیار نہیں کرتا۔ البتہ جب اس کے دل میں غلط فہمی و اضطراب کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اشد
 سے دور کر کے یقین و معرفت کی روشنی بخش دیتا ہے۔

تیسرے شخص حضرت ابراہیمؑ تھے جو پہلے شخص کی طرح انکار اور ٹھنڈ میں بدست تھے اور دوزخ
 سننے کی طرح شک و اضطراب میں مبتلا تھے بلکہ وہ شرع صمد اور مزید الہیتان کے طالب و آرزو مند تھے جسے اشد
 نکالی نے پورا کر دیا۔

۲۔ قرآن مجید کے اس اسلوب کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے بعض مفسرین نے یہاں آیتوں کو ان کے مابعد کی منسلک
 سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ کی احکام سے متعلق یہاں آیت کو مومن منسلک آیات سے منسوخ مانا جاتا ہے۔
 مثلاً پہلی آیت صوم کے متعلق اور حضرت خاں سے لے کر کتاب انسان و الفسوخ میں علامہ کے پانچ اقوال بھی کیے ہیں
 کا ترجمہ کرنے سے حسب ذیل میں باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ أَنْ تَعْلَمُوا مَا لَكُمْ فِيهِ عَسَى أَنْ تَتَّقُوا اللَّهَ أَنْ تَكُونُوا مِنْ غَافِلِينَ ۝۱۰۲
 ایک اور

قرآن کے یہاں پہلے یہ آیتیں دیکھیں کہ سورہ بقرہ کے ۱۰۲

کتاب سے منسوخ ہو گئے۔

۲۔ آیت منسوخ ہے اس لیے کہ گرفت و غلبہ میں سورہ کا طریقہ

۱۰۲ سورہ بقرہ کے بعد کی آیتوں سے منسوخ ہے

سنے تھے۔ یہ پہلا ایسا مسلمانوں کے یہاں بھی ملائے تھا جو بعد
میں کہتے تھے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اِلٰی قِسْمَتِکَ الْاٰخِرَ (۱۷) سے منسوخ
ہو گیا۔

۲۔ یہ آج نہ ناسخ ہے اور نہ منسوخ اور اس میں رمضان کے دو نفل
کا ذکر ہے۔

اگر تحصیل ہمدالہ اجماع کے اسلوب کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہاں سب سے تازہ و منسوخ کا
کمال مستطیع ہے بلکہ ابتدائی دعا آیتوں میں صوم کے متعلق جو باتیں اجمالا بیان کی گئی تھیں انہیں انہی کو کثرت و مضاعف
کثرتاً اُن کے لیے اُن کے اُن کے کہ تحصیل بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی دعا آیتوں میں اجماع کی وجہ سے جو شکوک و
شکات پیدا ہو رہے تھے ان کی تفصیل بیان کر کے مسمیٰ اور اس کے بعد کبھی آیتوں میں رہے کیا گیا ہے۔

سودہ ہمدالہ میں پہلے جو بیان کیا گیا ہے۔
لَا اَتُخَالِفُکُمْ فِیْ مَا تَشَاقُّوْنَ اِنَّا فَا جِئْکُمْ اَلرَّسُوْلُ فَقَدَّ مَوَ اٰیَہُ
یَدِیْ جَبَّوْا لَکُمْ مَدَّکَ ذٰلِکَ فِیْ رِکْبَہِ وَ اَلْخَمْرُ (۱۲)
و اب وہ تو جو اجماع لانے پر جب تم رسول سے سرگرمی کرو تو اپنی
سرگرمی سے پہلے مدد کرو۔ یہ تمہارے لیے لیا ہوا بہتر اور پاکیزہ
طریقہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا:
اَسْلَقْتُمْ اَنْ تَقْدَمُوْا بِہِ یَدِیْ جَبَّوْا لَکُمْ مَدَّکَ تَکْتَبُ اَلْ
(جمادہ: ۱۳)

۱۔ کہا تم اپنے نبی سے پہلے مدد کرنے سے ڈر گئے۔
یہاں بھی ناسخ کی بحث چھڑی جاتی ہے مگر پہلے اجماع ایک حکم بیان کیا گیا تھا کہ منافقین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو برسرِ شان کرنے کے لیے ہمارا آپ کے پاس آئے تھے اور آپ سے سرگرمی کرتے تھے۔ اس لیے انھیں نبیوں سے
پہلے مدد کرنے کا حکم دیا گیا مگر جب اس ضمن کی دوسری سیدھے سادے عام مسلمانوں کو زبردستی پیش آنے لگی تو اس
اجمال کی تفصیل بیان کر کے مدد کے حکم میں تحقیق کر دی گئی اور شدت کو سہولت میں بدل دیا گیا۔ یعنی یہاں سورت سورہ
التعال میں بھی مذکور ہے۔ پہلے کہا گیا کہ مسلمان اپنے سے دس گنا زیادہ دشمنوں پر غلبہ پائیں گے، مگر جب اس اجماع
کی تفصیل بیان کی گئی تو فرمایا کہ مسلمان اپنے سے دھننا غرضیں پر فتح حاصل کریں گے و اصل ان آیتوں میں مذکور
منسوخ کا کوئی مستند نہیں ہے بلکہ تحصیل ہمدالہ اجماع کا اسلوب مد نظر رکھا گیا ہے یا زیادہ سے زیادہ سامانی
حکم میں تحقیق و سہولت کی بات کی گئی ہے۔ اسی لیے فرمایا اَللّٰهُمَّ حَقِّقْ اَللّٰہَ عِنْدَکُمْ وَ عَلَیْکُمْ اَفْضَلُ حَقِّقْ اَلْ
اس حدیث میں سے پہلا معادلات ہو گیا ہو گا۔ اگر میں اس اسلوب کے بعض فوائد کا ذکر بھی مفید ہو گا
۱۔ اجماع کے بعد تفصیل کا اسلوب لانے کا ایک مقصد بیان میں توحید ہے۔

کیونکہ ایک ہزار واسطوں کی وجہ سے مطالبہ و قلمی کو کم از کم دیکھنا اور بدلی پیدا ہو سکتا ہے وہاں اسلوب کے تسلسل کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔

اس اسلوب سے آدمی میں غرور و فکر اور تلاش و تحقیق کا دایہ بہا ہوتا ہے کیونکہ حکم و عمل آیتوں میں جو دقیق اور اہم باتیں باعنائی و ماسرغیہ کیے گئے ہیں۔ عدم تفصیل کی وجہ سے آدمی پہلے خود ان میں اچھی طرح غور و فکر کرے گا اور گہرائی میں ڈوب کر اصل حقیقت کا پتہ لگائے گا اور جب اس کی تفصیل بیان کر دی جائے گی تو معمولی استعداد والے اور کم فہم لوگ بھی ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیں گے جو اجمال کی صورت میں پہلے ان کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔

انہم و علیہم کے نقطہ نظر سے بھی یہ اسلوب موثر اور دلکش ہے کیونکہ اجمال و ابلاغ کا یہ ایک عام اور معروف طریقہ ہے کہ آدمی پہلے اپنی باتوں کو بطور تہدید اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے پھر بتدریج ان کی وضاحت تفصیل بیان کرتا ہے اور آخر میں سب کالہ بہا بہا اور خلاصہ بیان کرتا ہے، ایک عمدہ خطیب کی یہی شان ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی حیثیت بھی ایک آسانی خلیب کی ہے جو پہلے اجمالاً اپنے مطالب ذہن نشین کرتا ہے پھر ان کی تفصیلات و جزئیات کو قیام کرتا ہے اور آخر میں عمود علی ابد کے اصول و اسلوب کے مطابق اپنے مطالب کا بخوبی پیش کرتا ہے تاکہ اس کا مفہوم و مدعا بغیر کسی ایچ بی کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

کسی بات کو پہلے اجمالاً بیان کرنے کا یہ مقصد اور مفائد بھی ہوتا ہے کہ آدمی کا ذہن اس کے لیے ہوا اور اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ پھر اس کے مزید اہمیت اور شرح صدر کے لیے اس کی تفصیل و توضیح کی جاتی ہے۔

شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ تعلیم و تربیت، ہدایت و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے بھی یہ نہایت مفید اور بامکت طریقہ ہے کہ پہلے اصلی اور بنیادی باتیں کہیں گئے جوئے انظار اور جامع و موثر محلوں میں مختصراً بیان کی جائیں پھر بتدریج ان کی تفصیل و توضیح کی جائے اسی لیے قرآن مجید میں تدریجاً نازل ہوا ہے جیسا کہ فرمایا:

وَقَرَأْنَا لَهُ آيَاتِنَا فَتَسَاءَلُنَا عَنْهَا فَتَنَّاكَ مِنْ ذُلِّكَ وَرَنَّاكَ

تلفظ علیہ (یعنی اسوۃ) ۱۰۶
 ۱ اور اگر کوئی کلم لے کر حضرت امیرؑ کا تذکرہ کرے تو اس کے سامنے شہر کر
 پڑے اور ہم نے اسے یک بار ہی کہا تھا۔

اس تذکرہ کی فرض وحکت یہ ہے کہ لوگوں میں احکام الہی کی تعمیل کو توجہ پیدا ہو اور وہ ان کے عمل کے لیے اپنے کو
 ہمہ طور پر تیار بنائیں اور مسلمانوں کے کثرت و افلوک میں تشریف لے جائے اسی لیے صحابہ کرام احکام الہی کو سمجھنے سکھانے
 میں تدریج کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم میں سے جب کوئی شخص دس آیتیں سمجھ
 لیتا تو جب تک ان کے علم و عمل میں بڑھ نہ جاتا آج نہ بڑھتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کو صرف پڑھنے کے روز
 نصرت کرتے تھے تاکہ ان کو کتاب اللہ کی بات نہ سمجھ آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر ہمارا قرآن مجید ایک کھڑی
 تازیانی کی طرح ہوتا تو اس کے احکام کی تعمیل میں دشواری ہوتی، اس کے نزول میں جو تدریج پائی جاتی ہے شیک وہی تدریج
 احکام و فرائض کا سکھانے میں بھی ملنا نہ رکھی گئی ہے۔ یہی کہ یک بار کسی حکم کو مانڈ کر لے کر اس کا عمل دشوار ہو جانا
 ہے۔ تدریج کا یہی طریقہ قرآن مجید کی دعوت و پیغام کو پیش کرنے میں بھی اختیار کرنا چاہیے کہ پہلے اصول و کلیات کی طرف
 لوگوں کو رجحان دلایا جائے پھر ان کی جزئیات و تفصیلات سے آگاہ کرایا جائے۔

دولسانی کتب

پروفیسر محمد انصار اشہد

(زیر تکمیل کتاب "مسلمان اور سنسکرت زبانوں و ادب" کے چند اوراق)

علم میں وسعت آتی ہے تو کام کرنے کے لیے بھی نئی راہیں کھلتی ہیں اور افادیت کی بھی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔ سنسکرت متون کو عربی زبان میں ترجمہ کر لینے کی لیاقت حاصل ہو گئی تو اس کے معارف کا ایک نیا بینک نہایت مفید پہلوئے سامنے آیا کہ مختلف قسم کی تعمیرات پر سنسکرت اور عربی میں دولسائین کتبے نصب کر اے جائیں۔ ایک ایسے قدیم کتبے کی نشاندہی ڈاکٹر انجم رحمانی نے بایں الفاظ کی ہے کہ:

• پیشاور میوزیم میں ۲۲۳۳ھ، ۸۸۵ء (سبقت ۹۱۴ ہجری) کا ایک دولسائین کتبہ عربی اور سنسکرت زبانوں میں محفوظ ہے۔

عالمی صاحب نے اس کتبے کے بارے میں تفصیلات قلمبند نہیں کی ہیں لیکن اپنی قدامت کی وجہ سے یہ سنسکرت نام ترین دستیاب تحریروں میں شمار کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیساہی نے راقم کو بتایا کہ اس کتبہ پر سنسکرت عبارت بڑی عمدگی سے لکھی گئی ہے۔

کئی قدامت مند کتبے بھی سنسکرت عربی اور سنسکرت فارسی و دیگر زبانوں میں دولسانی کتبوں کا دریا ہیں جو کہ انتہائی عمدہ فن و کمال کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ایسے ایک کتبے کا کالمف اس طرح لکھا ہے:

پروفیسر اشہد اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

”کتبہ خط و زبان سالکیت و حق پر وقت نام کے لازماً مساجد
 اسلامی است۔ این کتبہ در وصال و کلمہ (Verne) صوبہ بمبئی
 بتاریخ ۱۱۲۰ ہجری در زبان امیر کی الدین پادشاہ ہرگز لکھے بنام
 خدا الدین فیروز مسیح بن محمود و موقوفات اکثر را با خط و زبان شکریت
 در رسم سنگ کتبہ کردہ است۔ منی عربی ان کتبہ در سونات چمن
 در مسجد قاضی نوشتہ شدہ موجود است۔“

مقام و راول میں یہ مسجد سونا تھ کے مندر کے قریب ہے۔ اس کے کتبہ کا سنسکرت متن ڈاکٹر سرکھ نے
 اور عربی متن ڈاکٹر شب الہ الدین ڈیہا نے شائع کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ
 ”دوسری دور کے آثار میں بہت سے کتبے دوستانی ہیں۔ ان میں سے کچھ
 سنسکرت خداسی میں اور بعض (سنسکرت) گجراتی میں ہیں۔“
 ڈاکٹر شب الہ الدین ڈیہا کا کہنا ہے کہ دوستانی کتبے گجرات اور مدھ پردیش کے علاقوں میں لکھائے گئے
 ہیں اور ایسے کتبے ”غیر جاری“ کی تحریرات مثلاً گنوں، بادلوں اور تالاہوں وغیرہ پر زیادہ نصب کر لے جاتے
 تھے۔ مسجدوں پر یہ نسبتاً کم ملتے ہیں۔ خال خال سے سانی کتبے بھی پائے جاتے ہیں مثلاً:
 ”۱۱۶۶ (۱۷۵۸) کے ستھوڈ (ضلع بڑودہ میں) کتبہ کی جیسی
 یادداشتیں سے سانی ہیں جو فارسی، گجراتی اور سنسکرت میں
 لکھے ہوئے ہیں۔“

اس قسم کے کتبوں کا فائدہ یہ ہوا کہ ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں داخل ہو کر بولچ پانے لگے۔ ہندو لہجوں
 کے لگوائے ہوئے کتبوں میں عربی اور فارسی کے کلمات کا استعمال بھی ملتا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ:
 ”سنسکرت کتبوں میں مسلم حکمرانوں کا حوالہ دینے کے سلسلے میں بعض
 اوقات ’پادشاہ‘ (پادشاہ) وغیرہ کے ساتھ ساتھ سلطان بہ صورت
 ’سرتزان‘ پایا جاتا ہے۔“

اور

”وہی مگر کے راجاؤں کے کتبوں میں ہندو لہجوں کو ’سرتزان‘
 کہا گیا ہے۔“

شیل ہندوستان میں کتب کے خطے میں مسلمانوں کے دورِ راج میں فارسی کے پہلے پہلو سنسکرت کا استعمال
 بھی ہوا۔ یہ تھا اور اس خطے میں ہندو اور مسلمانوں کے مروت میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا ہے۔ بتایا گیا ہے
 کہ

شہر میں بہاء الدین صاحب کے قبرستان میں سید من کی قبر پر دو
نہاں کچر مرہ ۱۲۸۴ (۱۸۸۹) ہے۔ یہ کچر سنسکرت (شاردو خط)
اور فارسی میں تحریر ہے۔

شیریں ان زمانوں کے استعمال کا ذکر کرتے ہوئے بناب محب الحسن نے لکھا ہے کہ:
• چنگیز خوں اور سولہویں صدی کی متعدد قبریں سرنگار اور پنج بہار میں
آج بھی موجود ہیں جن پر دو تلی (فارسی اور سنسکرت) زبانوں میں
کتبہ ہے اور سنسکرت میں اور نیچے فارسی میں:
دلی میں گلاس ڈالنے میں دو سائی کتبے ملتے ہیں۔ ایک کتبے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

• در تھنہ قلعہ سرخ دلی اور سنگ مرہ پہلے موجودات بہ شمار
۱۰۹۰/۱۱۰۹ م کہ بر رے کن تدریج بنائے چلے را بہ دوز بان فارسی و
سانسکرت نقش کردہ اند؛ در طرف راست کتبہ فارسی است و کا برستہ
لغج و نہیں خواندہ می شود۔

سپراء بنای این مہلت چاہ در عہد دولت شاہ کفار شکن
اسلام۔

سطر ۲۔ پناہ الہا ہدی بہیل اند سکندر شاہ بن بہلول شاہ۔
سطر ۳۔ این خیر جانی شیخ سکندر بن شیخ بایزید بن شیخ یحیی
شیرازی۔

سطر ۵۔ وہابی مراد خاں نہنت دلاور خاں شیرازی ابناء شیخ مذکور۔
سطر ۶۔ فرمایلی و دال براہین خیر لہی عالم شہ نہنت سلطان بہلول۔
سطر ۷۔ مرید شیخ سکندر مذکور العشرین من صفر سنہ ثلاث و
عشرون و مئس مائت۔

سنسکرت عربی اور سنسکرت فارسی کتبیں کا پہلے دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی میں عام ہو گیا تو
مولانا حسین الدین ندوی نے بھی خاندانوں کے فاروقی سلطانین کے زمانے کے ایسے دو کتبیں کا ذکر کیا ہے، اس طرح:
• سنسکرت زبان کے عربی و کتبے جو جامع مسجد برہنہ اور جامع مسجد
اسرگڑھ میں موجود ہیں۔ انہیں بھی برہنہ اور کے ہادشاہ علاؤ شاہ فاروقی
نے کندہ کرایا تھا۔

انہوں نے اول انکے ہاتھ میں منکر کیا ہے کہ:

”ہاں سید بہادر میں عربی اور سنسکرت کا بخیر کتبہ ہے مہربان

لے اس کی عربی عبارت جو پر کرنے میں یہ کمال دکھایا ہے کہ بعض بعض

جگہ ایک حرف سے دو دو اور تین تین حرفوں کا کام لے لیا ہے۔

ایک حرف سے دو دو اور تین تین حرفوں کا کام لے لینا کوئی نادر بات نہیں ہے اس کے نمونے اور بھی مل سکتے ہیں۔ اس نسخہ پر یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلمان ترمذی نے باسند ووں کا اثر کہہ کر ان کتبوں کی اہمیت کو کم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ سید احمد کاھر نے اس سے متعلق مصلحت کسی واحد شخص کی راے باسند و ناپسند کے تابع نہیں ہوتے ہیں۔ سید احمد کاھر نے اس طرح میں جو کہ ہوتا ہے اس کو ملائے کے بھی مسلمانوں کی تائید اور تمام مصلیوں کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ فقیر کو تا چاہے کہ مسلمان دوسری مختلف زبانوں کی طرح سنسکرت زبان کو بھی اپنی مولاؤں کے گھر میں لائے تھے اور اس زبان کو ان کے لیے اجنبیت اور غیرت ختم ہو چکی تھی۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مسجدوں میں جانے والے مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی مقبول تعداد ہوتی تھی جو کتبہ کی (سنسکرت) مہلت کو فہم اور سمجھ سکتے تھے۔ واقعہ

یہ ہے کہ :

”مسلمان جب عرب سیر یا معمر، شمال افریقہ، اسپین اور جزیرہ سسلی

جک پہنچے تب یورپ میں بین الاقوامی طور پر علم برطان چڑھا۔“

ٹیک ہی معاملہ ہندوستان میں بھی ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کتبہ نے بیشتر کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے اور وہ اسلام اور بن اسلام پر بے سرو پا افراس کر کے اپنی کمر نوری اور اسلام کے دعووں کی صداقت کو ثابت کرتا رہتا ہے۔

جنوبی ہند کے علاقوں میں بھی سنسکرت کو ایک ایسی زبان کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، جسے مسلمانوں سے قریب ذیل کی زبانوں سے لگاتار تھا۔ شہر میسور کے شمال میں ایک گاؤں ”سند گٹا“ ہے۔ اس کی مسجد کی دیوار میں ایک کتبہ کنڑ زبان میں ہے۔ اس کی پیشانی پر ایک طرف ہلال اور دوسری طرف سورج کا نقش بنا ہے۔ آخر میں سنسکرت۔

یہ شملہ کے ہیں۔ کنٹر عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے :

”خیر باد شالی دارنا سکھا کے حج و کلام لائی والے سال سے شروع ہونے

وے جنگ کی ہے۔ ویسوی نالی سال ۱۲۵۹ء کے شریان نامی جیسے میں

بہادر پانچویں تاریخ کو۔ سند گٹا میں بابوشی (بہادر) نے جو سنگیہ

مسجد کا دیوستان تعمیر کیا ہے، رچی نالیک نے سب کے اتفاق سے اس

کے لیے ہلکے لوہے پٹا لپٹا گاؤں اور حبیب کا گھر وقف کیا ہے۔

نذر نیاز کی آمدنی بھی اس کے لیے وقف ہوئی۔ یہ وقفہ چاند سورج

کے قیام تک قائم رہے گا۔ آئندہ زمانے میں حاکم ہندو کی شکست یا کسی

اور شخص نے اس میں خلل ڈالا تو گو یا اس نے کاشی میں اس میں مارنے

ملی باپ کو قتل کرنے کے عزم و نغم کا ارتکاب کیا۔ یہ اس قرعہ کے پٹواری
ناگ پائے قتل کیا ہے۔

۱۵۹۹ء مطابق ۱۰۱۰ھ اور ۱۰۱۱ھ سے۔ مسلمانوں نے بنوای قحی اور وقف ناگ ہا پٹواری نے چوندھنا
یا قحی لکڑا کر چوندھنا بنوای قحی سے لیکن اس پر سنسکرت کے شاعر لکھو اے تھے۔ یہ شعر بدیہ طور پر مسلمانوں ہی کے لیے
تھے کیونکہ اہل حق یہ تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ناگ پائے قحی میں سنسکرت زبان مسلمانوں میں عام طور
پر سنی اور سنی جاتی تھی۔

جناب قیام الدین احمد نے بہار میں بھجوا، ضلع شاہ آباد میں ایک حوض پر ایک ایسے کتبے کی نشاندہی کی ہے جو
”زی اور سنسکرت میں ہے۔ اور پر ”بسم اللہ“ کے بعد فدی کے نو شعر لکھے ہیں۔ ان میں سے ذیل کے مصرعے
ملاحظہ ہوں۔

درمہد شیر شاہ عادل او ہم شمر

۱۔ سنہ نهمد چہل ہشت، بیستم ماہ صفر
۲۔ یوسف --- منصف نکو پرگز

سنہ نهمد پنجاہ (۱۰) و شد اس تمام

معلوم ہوتا ہے کہ یوسف نامی کوئی شاہی عہدیدار جو منصف (۱) عادل) تھا اس جگہ آیا اور اس نے ایک حوض بنوانے کی
تحریک کی۔ وہ حوض ۱۰۱۰ھ/۱۰۱۱ھ میں مکمل ہو گیا۔ آخری شعر میں شاعر نے اپنا نام یعقوب نظم کیا ہے۔
فدی کے شعروں کے کچھ نظم اور نثر ملی ہوئی سنسکرت عبارت بھی تو ہی سطروں میں لکھا ہے۔ اس کی ابتدا ”عیش“
کے نام سے ہوئی ہے۔ ذیل کی دو سطری اہم ہیں:

ॐ नमो भगवते वासुदेवाय ॥ १२६६ सप्तमे अषाढ शुद्धि शुक्रवासे

ॐ श्रीगणेशाय नमः (हेमाद्रिहरे) कृतो दामो मि

سندھ علامہ بکری نسبت ۱۵۹۹ کو حوض کا سال تکمیل خیال کر لیا ہے جس کی وجہ سے حیدر گاہ پیدا ہو گئی ہے۔ واقعہ یہ
کہ ۱۰۔ صفر ۱۰۱۰ھ (۱۵۔ جون ۱۵۹۹ء) بکری نسبت ۱۵۹۹ سے مطابق ہے اور یہ تاریخ یوسف عادل کے وہاں پہنچنے
کی ہے۔

سنسکرت کی جہلت میں ”ہیادور سین کے دن“ کا ذکر ہے ممکن ہے کہ اس شخص نے مقول نظم سے متعلق کیا
ہو اس لیے اس کے علی کا ذکر کتبہ پر نہ کیا گیا ہے لیکن اس بارے میں متعجب نہیں کہ حوض کو بولنے کا کام یوسف ہی نے
کیا تھا اور اسی کی سرپرستی میں یہ کتبہ نصب کیا گیا ہو گا۔ اس کتبہ کا تلافی کرانے چوے ڈاکٹر قیام الدین احمد نے
لکھا ہے:

”شیر شاہ اور اسلام شاہ کے سٹوں پر ہندی دعائیں کا اظہار معلوم
میں ہے۔ اس کتبہ پر سنسکرت جہلت کا ایک شاہی عہدیدار کی
سرپرستی میں لکھا یا جاتا اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ شیر شاہ کی فوج میں

دوسری صورتوں میں بھی کام میں ملای جہاں بعض پرکھ کر اس کام میں ایک ہندو نے لکھا مانی لکھا دیا تھا کتبہ کی اہمیت کو کم نہیں کیا بلکہ لکھا کہ دو دوڑی موتوں پر سب سے نصف ہی کو اصل کو غیر کندہ قرار دیتے ہیں۔
 اور یہی طالب علم کی جانچ کر اس حقیقت پر شبہ کی ہرگز نہیں جو نہیں ہے کہ شہل سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک تمام ملک میں سنسکرت زبان کے مسلمانوں کے استعمال میں رکھا ہے۔ مسلمانوں کے دو لسانی نہیں کا ذکر ہی اکثر ملتا ہے۔
 حکمت لکھا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ:
 "چند کتبہ اسلامی ہم ہر زبان فارسی و خط سنسکرت یافتہ خود۔"
 ایران ملک میں جو دو لسانی کتبے ہیں ان میں ملنے وقتا فوقتاً ان کا تدارف شائع کیا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل مطالبہ خصوصیت سے قابل ملاحظہ رہا:

1. Muhammad Hamid kurashli -
Some Persian Arabic and Sanskrit inscriptions from Asirgash in Nizam District, Central provinces
E. I. M 1925.
2. R. M. Joshi - Sanskrit version of the Bilingual inscription from the State Museum Hyderabad 1959-60.
3. A Persian - Sanskrit inscription of Karna Deva Vaghela of Gujarat 1975.

سولہویں صدی عیسوی / دسویں صدی ہجری کے آثار میں سنسکرت زبان کا استعمال مسلمان اپنے وقت اور دستاویزوں میں بھی کرتے تھے۔ یہ فیصلہ سبب اللہ نے اطلاع دی ہے کہ:
 "شہر کے میوزیم میں کثرت کے مشہور صوتی بزرگ فوج خدمت گزار کا ایک نام موجود ہے۔ یہ دو لسانی زبانوں میں ہے اور سنہ تحریر ۹۸۴ھ ہے۔ فارسی میں بالکل پڑا ہے۔"

اس وجہ نامے کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"یہ نام پہلی دو زبانوں کے ساتھ ہے جو مجموعی طور پر ملتی ہے سنسکرت (شکل و خط) اور فارسی تحریر کرتے سامنے ہے۔"

ان دون زبانوں کا استعمال مسلمانوں کے لئے کے ساتھ خصوصاً نہیں تھا۔ کشمیری پنڈت بھی دستاویزوں کے لئے ان دونوں زبانوں کو کام میں لاتے رہے تھے۔ کورسہ کہ :
 " اس کتاب میں ۱۶۸۲ء کے ایک بیچ ہندو کا حوالہ دیا ہے جس کی سرکرت اور
 فارسی دونوں میں لکھا گیا تھا۔ "

اس کی کیفیت اس طرح ہے :

" پنڈت لالا اور پنڈت سودا کنٹھ (سرنگرنہ) نے ۱۶۸۲ء میں مہاراجا
 کے دروغ لکھے پنڈت آزاد رازدین (سرنگرنہ) کو بھیجے۔ یہ بیچ نامہ شالہ
 خدا اور فارسی میں ۱۶۸۳ء/ ۱۶۸۲ء میں لکھا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ کشمیر میں سنسکرت اور فارسی بینے لکھے جاتے تھے۔ "

اس قسم کی دستاویزیں وہ فہرہ تلاش کی ہیں تو اطراف ملک میں اور بھی مل سکتی ہیں۔
 اپنا اختتام کے آخر وقت تک بھی مسلمان ہندوؤں کے معاملات سے ذمہ داری ادا کرتے رہے ہیں بلکہ ان کی
 مہلت لگا ہوں کی بھی اطمینان سے سرپرستی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ زبانِ حال سے وہ لغویں اور لسانی کیفیت کا بیان کرتے
 رہتے ہیں۔ ڈاکٹر علی اسد زکریا نے لکھا ہے :

" کتبِ سنسکرت کا عالم دوم (۱۱۷۹ھ/ ۱۷۶۶ء) راجہ برہمچاری اور مانند مہدیشی
 دو شہر شہزادہ در سال ۱۲۳۳ ہجری (۱۸۰۷ء) سفر شد و ہر دو دارالے کتبہ
 فارسی با شد۔ "

مندرین پر فارسی زبان میں کتبوں کا نصب کیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ ہندوؤں کے اثرات میں سے ہے۔
 سنسکرت زبان کا کتبوں پر استعمال مسلمانوں کے آخر زمانہ اختتام تک بھی جاری رہا ہے۔ لکھنے کے :
 " پنڈت جی اسٹیشن کی حالت کے آگے پورب ایک بلند نیلے پر شاہ منصور
 کی قبر ہے۔ اس کی چار دیواری کے شمالی دروازے اوپر ایک سیاہ پتھر لگا
 ہوا ہے اس پر غیر چار دیواری کی حالت (۸۔ ذیقعدہ ۱۲۵۰ھ) فارسی
 میں لکھا ہے۔ اس کے نیچے دیوناگری خط میں ایک عبارت لکھی ہے جو
 پڑھی نہیں جاسکتی ہے۔ "

چار دیواری خط کی مہلت سنسکرت زبان میں ہے

بعض سرکاری دستاویزوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کی زبان سے بھی ملک کے لوگوں و حضرات میں مسلمانوں کے واسطے سے
 سنسکرت زبان کی توسیع و افراط کی داستان پر نور کی طرف سے ہے۔ اس سے گہرا ہوت سے غرضات کی نفی ہے
 اور حقیقت حال کو کچھ میں مدد مل سکتی ہے۔

حواشی

- ۱۔ وی ۵۵۔ ۱۵۔ نمبر ۱۔ ص ۶۶
- ۲۔ نقش پارسی ص ۱۵
- ۳۔ ہندوستانی کتبوں کا مطالعہ ص ۸۲
- ۴۔ ایضاً۔ ص ۸۳۔ فارسی، سنسکرت اور گجراتی میں لکھے ہوئے ایک ہندوستانی کتبہ کے لیے دیکھو بیسٹ آف بڑودہ میں نمبر ۵۳۔ ۱۹۵۱ ص ۶۳ وما بعد
- ۵۔ ہندوستانی کتبوں کا مطالعہ ص ۲۳۶
- ۶۔ ایضاً ص ۵۳۲
- ۷۔ بدیع کشمیر ص ۳۳۳
- ۸۔ نقش پارسی ص ۲۵
- ۹۔ دارالسرور برہنپور ص ۵۷
- ۱۰۔ ایضاً ص ۵۸
- ۱۱۔ بعض کثیر سلاطین کے مہد میں ص ۴۰۳
- ۱۲۔ بھگتہ ودق ص ۲۶
- ۱۳۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر سینی کی کارپٹری نے لکھا ہے:
 ۳۔ مذہب (اسلام) میں دوسرے کسی مذہب کے خیالات اور اس کے فلسفہ و حیات سے ہمدردی نہیں پای جاتی اور اسلام کے علاوہ باقی مذاہب اقسام اور ان کے فلسفہ و حیات کو کائنات کا مذہب اور تمدن کہا جاتا ہے۔
 (بھگتہ ودق ص ۳۲)
- ۱۴۔ لکھتے ہیں نابھاسی کو (فیث اللغات ص ۲۴۹) سنسکرت کے سرمایہ اور ہندو عقیدے کے کلاسیک لکھن، حقائق اور اشاعت کے مطالعے میں مسلمانوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، دیکھتے بھلنے اور جاننے بوجھے، غلط ان سے انکار یا اس کی حقیر کر لے جو اصطلاح استعمال میں آسکتی ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔
- ۱۵۔ متعلقات محمد۔ ص ۵۰
- ۱۶۔ لائسنس آف امریکا اینڈ پرنسپل انسٹرکشنرز ص ۱۳۷ تا ۱۳۹
- ۱۷۔ ایضاً ص ۱۳۰
- ۱۸۔ نقش پارسی ص ۱۵

- ۱۷۔ ماہِ منتقلِ اسلام کی کئی گائی فہم اٹھا۔ ص ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۴
 ۱۸۔ کثیر سلاطین کے عہد میں۔ ص ۴۰۳
 ۱۹۔ تاریخ کشمیر۔ ص ۳۲۳
 ۲۰۔ کثیر سلاطین کے عہد میں۔ ص ۴۰۳
 ۲۱۔ تاریخ کشمیر۔ ص ۳۲۴
 ۲۲۔ نقشِ پارس۔ ص ۱۵
 ۲۳۔ پٹنہ کے کتبے۔ ص ۹۳

مآخذ

- ۱۔ بحیرۂ دوق۔ ڈاکٹر سونجی کارچنری۔ مترجم ڈاکٹر شامی رجن بٹا چلیہ۔
 مکتبہ جامعہ لینڈ، دہلی، ۱۹۶۸ء
- ۲۔ پٹنہ کے کتبے۔ خدا بخش لالہ برہمپری، پٹنہ ۱۹۹۳ء
- ۳۔ تاریخ کشمیر اسلامی عہد میں۔ ڈاکٹر سابر آفاق۔ سرنگر، ۱۹۸۰ء
- ۴۔ دلا مسرور بٹا چور۔ مولوی سمین الدین ندوی۔ مالی گاہوں، ۱۹۶۸ء
- ۵۔ دی سچ، لاہور۔ جلد ۱۔ ۷۱
- ۶۔ کارپس آف ایریک اینڈ پرشین اسکے نرائٹ بہار۔ تیم الدین احمد۔
 مارا پریس پٹنہ، ۱۹۶۳ء
- ۷۔ کثیر سلاطین کے عہد میں۔ پرنسپل رجب الحسن (اردو ترجمہ)۔
 مطبعہ سادات اعظم کراچی۔ ۱۹۶۷ء

۱۔ مائٹشل اسٹیک کیلیمائی فووم ایڈیا۔ ڈیو ای بیجے۔
اصل نام ' ۱۹۸۵ء

۲۔ فضل پوری براہمار ہند۔ ڈاکٹر علی اسمرکت۔ کلکتہ این سیٹا۔
۱۳۴۷ سن ' دہلی

۳۔ ہندوستانی کتبیں کا مطالعہ ڈی۔ بی۔ سرکار (اردو ترجمہ)۔
نرلی اردو بیورو ' نئی دہلی ۱۹۸۴ء

علامہ زمخشری اور ان کی تفسیر الکشاف

نظام الدینو اسلاھ *

تفسیر کی ضرورت و اہمیت

قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلقت اودار میں انسان کی ہدایت کے لیے انبیاء
مبعوث فرمائے اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور یہ عہد امت بھی قرآن میں موجود ہے کہ ہر قوم کو کتاب اپنی اسی زبان میں
دی گئی جو مخاطب قوم کی زبان تھی۔ فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (المائدہ ۴۱)
۱ ہم نے ہر رسول کو اس کی اپنی قوم کی زبان میں مبعوث کیا تاکہ وہ ان
کے سامنے اس کی وضاحت کر سکے۔

اسی اصول بحث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب بھی حضرت محمدؐ پر ان کی اپنی زبان یعنی عربی میں
بیں نازل فرمائی!

فَرَأَاهُمْ رَبِّي عَمِيرٌ ذُو عِوَجٍ (زمر: ۲۸)
۱ یہ عربی زبان میں اتاری ہوئی کتاب ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں
ہے۔

وقت مجید کے عربی زبان میں نازل ہونے کے باوجود یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عربی ماں اس کی ہر آیت کو سمجھ
لے کہیں کہ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن کو نبی کے علاوہ کوئی نہیں کہہ سکتا اور بعض آیتیں ایسی ہیں جن کو
عام مصلحتوں کی بنا پر سمجھ سکتے ہیں اور کہ آیتیں ایسی ہیں جن کو ہر جاہل و عام سمجھ لے گا۔ اس لیے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے
ایک نیکو اس کی تشریح و توضیح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ إِنَّكَ بِرَبِّكَ لَأُنْصِرُ (نحلہ ۱۰۱)
۱ ہم نے یہ کتاب کو آپ پر اس لیے اتاری ہے تاکہ آپ اس کی تعلیمات
کو ان پر فایز کر دیں۔

مذکورہ آیتوں سے بات واضح ہو چکی کہ سہریا اپنے دور میں اپنا کتاب کا مفسر ہوتا ہے اور آخری نبی بھی
اپنا کتاب کے مفسر تھے۔ اس لیے ارشادِ رسول کو فہم قرآن کے معاملے میں کیونکہ تمام حاصل ہے جس کے بغیر کتبِ انجیل
کو سمجھنا ناممکن ہے۔

تفسیر قرآن

ارشادِ رحمانی نے ہم پر قرآن پر بار بار اہمیت اور اہمیت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس کتاب پر غور و فکر

کرے

فَلْيَتَذَكَّرْهُ الْإِنشَانُ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (نملہ: ۲۴)
دیکھا۔ اگر کوئی حق پر غور نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے

ہیں؟

(ص: ۲۹)

یٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ارْجِعُوْا اِلٰى قُرْاٰنِکُمْ
اور غور و فکر اس کی آیتوں پر ضرور کرنا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید غور و فکر کرنے اور تدبر کرنے کی چیز ہے۔ اسی لیے ہمیشہ اس کا مطالعہ
قرآن مجید پر غور و فکر کیا ہے اور اس کی مختلف امانتوں سے تفسیریں بھی مرتب کی گئی ہیں۔ حضرت علیؓ کا یہ قول صحیح ہے
کہ اَلْقُرْاٰنُ لَا يَنْفَعُ مِمَّا سِوَهٗ۔

قرآن مجید کے ساتھ ملت کا سہراؤ

مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن مجید سے ملت کو رہنے کی بھی مختلف اور اہم کوششیں
کی گئیں اور اس زمانے میں بھی اس کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چونکہ قرآن مجید انسان کے ظاہر و باطن دنیا و آخرت اور
معاشر و معاد ساری چیزوں سے بحث کرتا ہے۔ اسی لیے اسے انسانی زندگی کا دستور حیات کہا جاتا ہے۔ کہیں کہ
زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جس سے اس میں بحث نہ کی گئی ہو اور اس کے بارے میں واضح رہنمائی دی گئی
ہو۔ اس لیے قرآن مجید کا کج تعارف ہے کہ وہ کتاب ترکیب ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ قانونِ ملکی بھی ہے نہ
نور و عرفان کی کتاب نہ کہ انسان کو رہنمائی کا مایہ و بار بنا دے اور نہ ہی صرف قانونِ سیاست ہے کہ وہ انسان
کو ایک دنیا دار بادشاہ کی شکل میں بحال دے۔ چونکہ قرآن مجید ان تمام تعلیمات کا جامع ہے اسی لیے مختلف ادوار میں
مختلف ہمت و رنگوں کی جانب سے اس پر غور کیا گیا ہے اور خود اس کے ماننے والوں نے اس کے ساتھ غیر مناسب
برتاؤ کیا ہے۔

شاہانِ وقت اور قرآن مجید

بعض مسلم بادشاہوں نے اپنے اپنے زمانے میں سیاسی قوت کو امر یا معروف اور غیر منکر کے
لیے استعمال کرنے کے بجائے ہوس ملک گیری کے لیے استعمال کیا اور حدودِ مملکت کو وسیع کرنے، اس کے لیے جس
قوت اور حکم و بلا پیش و چنے کے لیے اس سیاسی قوت کو استعمال کرتے رہے۔ اسی لیے ہر دور میں ان کے ایسے حکماء
ہو گئے جو بادشاہ کے رعب و خروش کو خوش رکھنے کے لیے قرآن مجید سے غلام کو دور رکھنے کی ہر کوشش

قادر ہے کہ ان تمام کتب کی پہلی اس کو کہ جس طرح ممکن ہے اور یہی وجہ ہے کہ دشمنان اسلام نے مسلمانوں کو قرآن
 لکھنے سے دور کرنے کی پوری جدوجہد کی اور انہوں کو مسلمانوں کی جیسی اکثریت اس دامن پر نہیں چسپاں کی ہے
 مگر ان کی شکاکت کرنے سے ہر طرف ہر چیز نیکیوں میں آتی رہی اور وہ سخت جنت میں جا سکے۔ چنانچہ اب ہر شخص کو بوجہ قرآن
 کی تلاوت کئے رہنا اور بغیر کچھ بوجے اس کو یاد کرنے رہنا ان کے نزدیک ذرا قرآن کا خصلہ ہی لگایا ہے اور اس
 ثلب کو ملا و حفاظ اور واعظین بڑے زور داران غلامیں بیان کرتے رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں حکمتوں، معصنوں اور اصلاح و انقلاب کی بے پناہ دیہی پر مشتمل ہے جب تک ان سے ملو
 آگے حاصل نہ کی جلتے اس کی اجلی کرنا ممکن نہیں۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم اس کو سمجھنا اور اس پر بندہ کر کے
 کی کوشش کریں۔

دور حاضر میں عربی زبان و ادب سے کافی دوری پیدا ہو گئی ہے اور غلاموں سے ہندوستان میں
 عربی مدنی حضرات کی تعداد بے حد کم ہو چکی ہے اور عربی ادب سے عارف ہی وہ بھی فہم دہندہ سے غلامی ہے
 ہوا ہے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کی اہمیت بھی کم سے کم تر رہتی ہو رہی ہے۔ لہذا اس کی طرف توجہ زیادہ توجہ دی جائے
 کم ہے۔

یہ کتابہ مجیب و غریب علمی ذخائر کی جامع ہے اور انسانوں کی دنیوی و دنیوی فلاح کی ضامن ہے۔ پھر
 بھی قرآنی نسخوں کی کثرت اور حفاظت کی کثرت کے باوجود مسلمان زوال کا شکار ہیں۔ ہمارے اسلاف کی ترقی کا لگنا سی
 بات میں حاضر تھا کہ انہوں نے قرآن مجید کی طرف کمال توجہ کی اور صرف قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ اس کے تقاضے
 پلندے کرتے ہوئے اپنی زندگیوں کو اس کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی کامیاب جدوجہد کی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے قرآن مجید کی جو تفسیر بیان فرمائی اس سے مجبوراً دلوں پر فائدہ آگیا۔
 صحابہ کرام قرآن مجید کو حفظ کرنے سے پہلے کچھ کی کوشش کرتے اور جب تک اس پر عمل نہ کر پتے آگے بڑھنے
 کی کوشش نہیں کرتے۔ تفسیر کی اہمیت و ضرورت سمجھنے کے لیے مذکورہ بالا آیات کا مطالعہ کافی ہے۔ چنانچہ علماء ملت
 نے اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کی طرف کمال توجہ فرمائی اور منتضات زادوں سے کلام پاک کی تفسیر کی اور ان
 کا بڑا مقام ہے۔ حقیقت یہ کہ ان علماء متقدمین نے اپنے تفسیر کو دینے کے لیے ملت اسلامیہ پر جو فہم اسائنات کیے
 ہیں۔ اس سے صحر کی مجلس میں تمام تفسیریں اٹھانے والے تو ممکن نہیں ہے البتہ ان میں سے ایک اہم تفسیر علامہ زعفرانی کی
 نشان پر کہ انہار خیال کرنا چاہنا ہوں۔

علامہ زعفرانی اور ان کی تفسیر

دنیا سے تفسیر میں علامہ زعفرانی کا مقام نہایت بلند ہے۔ یہ اپنے دور کے یکمٹے روزگار مفسر گروں
 ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر کے ذریعے کتب تفسیر میں جواہر افشاں کیا ہے اس کی اہمیت اور قدر و منزلت کا احاطہ
 ہر دور میں کیا گیا ہے۔ باوجودیکہ اس تفسیر میں کچھ ایسی باتیں ہیں جنہیں علامہ نے اپنے خاص عقیدے اور ان کی منظر نگاہ
 اور اسے آیات قرآنی کے ذریعے مدلل اور مستحکم کرنے کی جدوجہد کی ہے۔ اس کے باوجود اہل علم نے اس تفسیر کو علم
 کے کاغذ قرار دیا ہے۔ یہاں وجہ کو قتلان علم قرآنی اس تفسیر سے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اس تفسیر کے

خصوصیات ہوتے ہنٹ کی جہت کی۔ حسب معلوم ہم سمجھتے ہیں کہ اس بات سے پہلے علماء کے حالات زندگی پر بھی تحریریں لکھی گئی ہوں گی۔

نام و نسب

ان کا نام محمود بن عمر ہے، کنیت ابی ہاشم اور نسبت خرمزی ہے۔ مسما خرمزی اور خرمزی ہیں بلکہ جب شام کے میں زمر کے مقام میں پیدا ہوئے۔ یہ خوارزم کے علاقے میں ایک گاؤں کا نام ہے، چونکہ اس دور میں بغداد مختلف علوم و فنون کا گہوارہ اور اکابر فن کا مسکن تھا۔ اس لیے یہ شہر لشکان علم کا مرکز بنا اور اس کی مرکز میں صدائے ملک قائم رہی۔ اس لیے علامہ خرمزی صاحب کشف بھی کتب میں کے لیے واسطہ ملا ہوئے اور وہاں کے اہل علم کے علم و فضل سے فیض پاب ہوئے۔ اسی طرح ایک دوسرے مرکز علم ماسان بھی گئے اور یہاں بھی علامہ وقت سے درمچا کر اور گیتی ملی بیاس بجائی، شریفیہ انھوں نے جہاں کہیں کوئی پیشہ لسانی پایا اس سے سیراب ہونے کی بھرپور کوشش کی اسی کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسی ہیے لکیر تفسیر تحریر کی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس تفسیر میں خود وقت اس کے اسرار و رموز اور فصاحت و بلاغت کا ایک سمندر گوزے میں بند کیا ہے۔

کشف کا مقام

اس تفسیر کی منفعت کو ان کے مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ان کے معنی نظریات کو نظر انداز کرتے ہوئے دیکھا جائے تو یہ تفسیر ایسی تفسیر ہے جس میں قرآن مجید کے وجہ الاماز اور قرآنی فصاحت و بلاغت کا بہترین فرائض ۱۴ اور حقیقت ہے کہ ان کو ادب عربی کا ذوق سلیم و اندہ لسانی کی جانب سے ملتا تھا۔ اس کا یہی تقاضا تھا کہ وہ ادب عربی کے اسرار و رموز کو کھولتے اور پڑھنے والوں کو اس فن کی باریکیوں سے مالا مال کرتے۔ وہ عربی زبان کے بکثرت بعد کار تھے۔ ان کے علمی تقویٰ اور نحوی مہارت کی جھلک ان کی تفسیر میں نمایاں طور پر ملے گی۔ خرمزی اس بات پر پختہ فیض رکھتے تھے کہ مفسر قرآن کو عربی ادب اور علم لسانی و بیان میں پوری مہارت حاصل کرنی چاہیے، چونکہ خرمزی خود اس کمال سے متصف تھے، اس لیے انھوں نے نہایت ہی قلیل مدت میں اتنی نظم تفسیر مکمل کر لی اور اس کی فہمت کا اعتراف لوگوں سے کرایا۔ انھوں نے اپنے مقدّر تفسیر میں لکھا ہے کہ میں نے یہ تفسیر اتنی قلیل مدت میں مکمل کر لی ہے جو عہد خلافت حدیث کے برابر ہے یعنی ۲ سال تین ماہ اور نو راہیں اس میں صرف ہوئیں، خود گتے ہر ایک

”میرا اندازہ یہ تھا کہ سیو اسوہ تفسیر کو تیس سو سالوں میں ہو جائے گی۔“

پہنچا سکوں گا مگر یہ جو مردم محترم کا نبی صاف تھا کہ اتنی قلیل مدت

میں یہ کام پورا ہو گیا۔ یہ تفسیر رجب الاخر ۵۵۰ھ میں مکمل ہوئی۔

(غلام احمد درویشی: تاریخ تفسیر و مفسرین ص ۳۶۶)

علامہ خرمزی اپنے اس کارنامے پر بہت خوش اور نازاں تھے اور اکثر یہ اعلان کیا

کہ

ابو القاسم بنی السدیا بالمعدد

ولیسہ فیہا لغری مثل کشفی

اے کتب جمع الصدیق قائم قراءتہ
فالمجلد کالسداء والکشاف کالشافی
۱ دنیا میں تفسیری نو بہت ہیں مگر کھدا میری کشف جیسی کوئی نہیں ہے اگر
نو ہدایت پہنچاتا ہے تو اس کو ہاندی سے پرستارہ کیے نگہ بہات ہندی
ہے اور میری کشف کشف اس کے بے شانی ہے۔

زفری کا یہ لفظ ہے حقیقت ہے کہ جب یہ الہی تفسیر میں استعمال سے استہدائے کرتے ہیں تو صاحب لفظ
مجموعہ جہم جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے شاعر نے یہ شعرا سی طرح کے لیے اور علامہ زفری کے استہدائے کے لیے کہا
تھا۔ انھوں نے بڑے ہی مشکل انداز کی اشکات کو اپنے اس طریقہ استدلال سے حل کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کی اس
تفسیر کو سمجھنے کے لیے کیا ہے تو وہ ان کے عقیدہ احزاب کی دہرے کیا ہے اور نہیں۔

علامہ زفری کے ہفتین اور اربعین نے جس کثرت سے اس تفسیر کے موضوع دعائی لکھے ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہے
کہ یہ تفسیر بہت ہی دقیق و فاضل تفسیر ہے اور اس قابل ہے کہ اصحاب علم اس کی طرف توجہ فرمائیں۔ خاصیت دعائی بھی حضرت
نے اس تفسیر کو بیاد کی تب میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ روز قرآنی کو کوئی طالب علم اس تفسیر کو نظر انداز نہیں کر سکتا ہے
جس طرح تفسیر ابن کثیر روایات پر مشتمل ہے جس میں عقیدہ التسل ہے اسی طرح کشف خود روایات اور اصل مشکلات میں
الہی مثال آپ ہے۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ کتب تفسیر میں کشف کا مقام بہت اونچا ہے۔ جمہور علمائے اہل سنت و فرائض
کی اس تفسیر کو نظر استہدائے نہیں دیکھتے۔ اس لیے کہ اس کا مصنف معتزلی ہے اور اپنے خیالات و عقاید کو قرآن مجید کی
آیات کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر اسی کے ساتھ تمام علمائے ادب و بلاغت زفری کی برتری اور بلند درجہ
صحت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ فلام احمد عربی نے اپنی کتاب تاریخ تفسیر و مفسرین میں علامہ تاج الدین ابوبکر
کا یہ حال نقل کیا ہے کہ

”کشف اپنے باب میں عظیم کتاب ہے اور اس کا مصنف امام فخری

ہے مگر وہ مبتدع ہے۔“ (ص ۳۲۰)

زفری پر بے جا تنقید

علامہ زفری کی اہمیت کے دین روایت باری تعالیٰ کے قابل نہیں ہیں، اس پر علماء نے سخت تنقید کی ہے
فی نفسہ، تنقید یہاں کیا سکتی ہے مگر صاحب کشف نے سورہ قیامہ کی آیت ”وہو یومئذ ناظرۃ ائی ربھا
ناظرہ (جمہ ۲۲۱) کی تائید کی ہے کہ وہ ایسی نہیں ہے کہ اس پر اظہار کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

لا تدركہ الابصار و هو یدرک الابصار (انعام ۱۰۳)

اور حضرت ابراہیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ نَنَزَّلْنٰ ذِیْنًا فَجَعَلْنٰ رَیْبَکَ بِیَعْقَبَکَ یَعْقَلُہُ دَاوُدَ عَلٰی مَوْسٰی

صوبہ (العنک ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کی عہدیت انسان کے اعلاٰ قدرت میں نہیں آتی۔ پھر اس آیت کے مفہوم میں اشد اور کلام عرب سے زعفری نے جو استدلال کیا ہے وہ وقتی تو ہے۔

سابع کثائن جس آیتوں کے خارجی مفہوم کو قبول نہیں کرتے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس کا بیٹا دلیو مثلاً :

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْغُرُثِ (امران : ۵۴)

اور

وَبِيعَ كُرْسِيِّهٖ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (بقرہ : ۲۵۵)

یا آیت

وَالْاَرْضَ بَقَعَتْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوٰتٌ بَيْنَ يَدَيْهِ (نعر : ۹۰)

ان آیتوں کا خارجی مفہوم علامہ زعفری قبول نہیں کرتے جب کہ بہت سے علماء اس کے خارجی مفہوم پر ہی اصرار کرتے ہیں۔ ان آیتوں کی تفسیر کے سلسلے میں مصنف کو ہدف تنقید بنانا ضروری زیادتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان آیتوں کا وہی مفہوم زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے جو زعفری نے بیان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ استواء سے مراد یہ نہیں بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے پاس کوئی تخت سلطنت ہے جو کہیں خاص جگہ پر رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اس کی کمری زمین و آسمان کو چمکے گا اس سے کسی یا تخت کی لمبائی چوڑائی کا بیان مقصود نہیں ہے بلکہ ان دونوں آیتوں میں اس کے مقتدر مطلق ہونے کا تصور دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں کہ قیامت کے دن پوری زمین اس کی شمشیر ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں پٹے ہوئے چول گیا یہ کہنا کہ اللہ کا داہنا ہاتھ ہوگا اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں پٹے ہوئے ہوں گے اور زمین شمشیر میں ہوگی۔ اس میں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کی قدرت و عظمت بے پایاں ہے اور ان عظیم مخلوقات کی کوئی حیثیت اس کے نزدیک نہ ہوگی بلکہ آسمان کا فذ کے مانند ہوں گے اور وہ جس طرح چاہے گا اس پر تصرف کرے گا۔

ان آیتوں کا یہ مفہوم لینے میں علامہ زعفری تنہا نہیں ہیں بلکہ بہت سے علماء نے ان آیات کا یہی مفہوم لیا ہے اور یہ کہل ہے کہ چون کہ انسان کا فہم و ادراک محدود ہے اس کا مد زخم اور اس کی زبان بھی محدود ہے۔ نہایت کم چیز کو کھنے کیلئے اپنے الفاظ و وقت کے اندر محدود و مفید رہنے پر مجبور ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فیض کی باعالم ہلاکی چیزوں کو کھانے کیلئے وہ طرز قبول اور وہی الفاظ و معانی استعمال فرماتا ہے جو انسان کے ذہنی تھیں گے ان کے لیے۔ چون کہ انسان سلطنت کا تصور سخت سے اور کچھ بڑے کا تصور ہاتھ سے جوڑتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہی دست سلطنت اور عظمت اقتدار کو ظاہر کرنے کیلئے قرآن کی قوت ادا کے کو سارے مکہ کو انھیں کے الفاظ میں اس کو راجع کیا ہے تاکہ انسان اس کے ادا کے ذکر سے کچھ پریشان خاطر نہ ہو سکے۔

پھر حال زعفری کے عقیدہ امتزال سے اختلاف کرنا بہت مناسب اور ضروری ہے مگر تنقید میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے۔ یہ کہنا بھی صحیح ہے اور بھی انہماک کا تھا ہے۔ اس نائنے کو پورا کو نام نہاد کا فرض ہے۔

اہل زنتی نے غلامی کے سلسلے میں نہایت ہی موضوع اور اس کی رعایت کا پتہ نہیں دیا جس کی وجہ سے
 اس طرح ان کا ذکر کرنے میں گویا ان کے نزدیک یہ ثابت شدہ حقیقتیں ہیں۔ خاص طور سے اکثر سورتوں کے آخر
 میں ان سورتوں کی اہمیت و فضیلت بیان کرتے ہیں بے اقبالی سے کہہ دیتے ہیں۔
 اس کے ساتھ ساتھ وہ دیگر احمدی معاملات میں بھی اس کی رعایت اور ملحوظ حدیثوں کو نہایت ہی اہمیت دیتے ہیں۔

لہذا اس میں بندہ اپنا نمونہ کے لیے مناسب نہیں ہے مثلاً آیت:
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
 فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَابْتَاعُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ
 فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَابْتَاعُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ (ملہ: ۸۶)
 کا تفسیر کچھ ہے انہوں نے اس جاتہ کی تفصیل اسرائیلی رعایت کی بنیاد پر بہت اہمیت کے ساتھ بیان کی ہے۔

یہ مقالہ ادارہ علوم اسلامیہ مسلمان پورہ علی گڑھ کے زیرِ اہتمام
 شفعہ ملی مجلس میں سہ فروری ۱۹۹۵ء کو پیش کیا گیا تھا۔ اس کے
 بعض مباحث (بالخصوص مسلم بادشاہوں اور ان کے حکام ملوک حکام)
 کو قرآن مجید سے دور رکھنے کی بات اعلیٰ کوشش (ملی نظریات اور مزید
 تحقیق و رواج ثبوت کے طالب ہیں۔ مدیر

فتاویٰ فیروز شاہی اور غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کے مسائل

ڈاکٹر حفصہ الاسلام

ہندوستان میں مسلم و غیر مسلم کے مابین تعلقات کے مسائل اس زمانے سے روز بروز گہرے ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں میں اس وقت اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ ہندوؤں کی شرعی حیثیت کے صحیح تصور میں اس وقت اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ یہاں ہمارا مقصد حکومت کا تسلیم کرنا نہیں ہے، بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین تعلقات و باہمی معاملات کے نئے نئے مواقع پیدا ہونے کی سبب سے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنا ہے اور ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ہندوؤں کی سبکی دہی کا باعث ہے۔ تاریخی کتب میں اس مسئلے پر کچھ حواصا ملتا ہے اور کہیں کہیں مسلمان علماء کے فقہاء کی وضاحتیں بھی ملتی ہیں۔ لیکن ہمیں شریعت کے ساتھ فتویٰ فیروز شاہی میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے وہ اس مہم کی دوسری جگہ تالیفات میں منقول ہے۔ اس مجموعہ فتاویٰ کی بحث اس اعتبار سے اور زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ یہ اس سلطان کے دور سے تعلق رکھتی ہے جس سے مورخین عام طور پر مذہبی کٹر پن یا ہندوؤں کے تکیوں کی تشبیہ و تہذیب اور ان کی کئی کئی اصطلاح میں ”بنیاد پرستی“ منسوب کرتے ہیں۔ فتاویٰ فیروز شاہی کے حلقہ مباحث ہندوؤں کی ذلت کے سبب بہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کو کڑی نگاہ (ہندوؤں کی شرعی حیثیت) پر غور کیا جائے اور اس سے تعلق حاصل ملتا ہے خیالات اور مصلحتیں کے فقہاء کی نظر اذیت کی جائے۔

ہندوؤں کی شرعی حیثیت کا مسئلہ سب سے پہلے اس وقت زیر بحث آیا جب ہندوستان میں حکومت قائم کی گئی اور نظام شاہی میں مسلم حکومت قائم ہوئی۔ عوام کے گورنر اور مہاراجاؤں کے سامنے کے مطابق مورخین کا خیال ہے کہ ہندوؤں کی ذلتی حیثیت سے تسلیم کیا۔ غالباً یہ فیصلہ اس وقت انہیں ”عہد اہل کتب“ کے عہد میں حاصل کیا گیا۔ مزید یہ کہ مورخین نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مورخین کا خیال ہے کہ حکومت سلطنت ہند کی قوامین غلط کی گئی اور اس حیثیت سے ان کے حقوق پر توجہ نہ تھی وہ انہیں دینے کے لیے نہیں بلکہ سلطنت میں یہ مسئلہ جو موضوع بحث تھا اور اس پر علماء کو نصیب دینا ہی مسلمانوں کی طرف سے تھا۔ علماء کا ایک طبقہ انہیں اہل ذلت قرار دیتے تھے جن میں تمام کے دو سوا چوتھائی حصہ مسلمان تھے (۱۲۱۱-۱۲۳۱) کے عہد میں مسلمانوں کی طرف سے انہیں دینے کے لیے تھے۔ مسلم مورخین نے ان کے مطابق اس عہد میں علماء کے ایک وفد نے

خوشی) باشد۔ وانشاء اعلم۔
(سوال) اگر ذی جائز چاہے تو کیا کسی مسلمان کو اس کی میلعت کے لیے جاننا جائز ہوگا؟

جواب) جائز ہوگا۔

(استفتاء) در آئند مشرکوں و ذمیانہ نان خوردن و آب خوردن مکروہ باشد یا نہی
(خوشی) باشد۔ وانشاء اعلم۔

(سوال) مشرکوں اور ذمیوں کے برتن میں کھانا پینا مکروہ ہوگا کہ نہیں؟
(جواب) مکروہ ہوگا۔

(استفتاء) اگر مردی صدقہ فطر بغیر ذمی می دہد فطر جائز باشد یا نہی۔

(خوشی) باشد۔ وانشاء اعلم۔
(سوال) اگر کوئی ذی فقیر کو صدقہ فطر دیتا ہے، شریعت کی رو سے جائز ہوگا کہ نہیں؟

جواب) جائز ہوگا۔

(استفتاء) اگر تمام بقعات ہندی می دہد فطر جائز باشد یا نہی۔

(خوشی) باشد۔ وانشاء اعلم۔
(سوال) اگر کفالت میں کسی ذمی کو کھانا دیا جائے تو فطر جائز ہوگا کہ نہیں۔

جواب) جائز ہوگا۔

(استفتاء) اگر کافری دعائی کند خدا سے دعا روا باشد کہ بگویند کہ دعا او مستجاب
خواہد شد۔

(خوشی) باشد۔

(سوال) اگر کوئی کافر خدا سے تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو یہ کہنا جائز ہوگا کہ اس کی
دعا قبول ہو۔

جواب) جائز ہوگا۔

مذکورہ بالا سوالات و جوابات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا وای فیروز شامی نے مسلم و غیر مسلم کے درمیان صاف فرتی
تنگی کے ان اسل و آب کے جاری رہنے کو روا رکھا ہے جو عام طور پر مسلمانوں کے مابین اصول ہے جو تہمید ہے۔ وہ یہ ہے
کہ مسائل میں سخت غمناک کی گواہ کے ملازم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صلیب خداوندی نے ان غمناک کی ہر شکاگاہ سے جو غیر مسلم
سے نصیحت کے معاملہ میں مسئلہ و غم رویہ کو نچھوڑ دیتے ہیں۔

وہ صلیب کے کچھ حصے میں ہندو مسلم تعلقات کے ایسے حوس مسائل کی تھیں جو پہلے اس صلیب
کے زیر میں ایک مشترک عقائد میں پایا جاتے تھے اس وقت کے حالات کی گواہی میں ہیں جو مسلم و غیر مسلم

ایک جہاں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو دوسرا اپنے قلعہ مذہب پر قائم ہے۔ ایک گھر کے کچھ افراد دولت اس گھر سے حاصل ہو گئے ہیں تو وہ مذہب اس سے محروم ہو چکا ہے اس طرح کی صورت حال اپنے ساتھ ساتھ آخری زندگی کے بہت سے مسائل حل ہو گئی۔ نہ توئی خود شایا میں اس طرح کے مسائل کی جھلک بھی تھی ہے۔

(استفتاء) اگر مسلمان پھر دوسرا دوسرا مسلمان مفتہ و نیکو کردن در حق ایشان خدمت و زیارت ایشان ہو یا مسلمان واجب باشد یا نہ۔

(فتویٰ) ہند۔ و اشہد اعلیٰ

(سوال) اگر کسی مسلم کے والدین کا فرعون تو کیا بیٹے پر واجب ہے کہ وہ اپنے والدین کی خدمت کرے، ان کے ساتھ من سلوک سے پیش آئے امدان پر مال و دولت خرچ کرے۔

(جواب) واجب ہے۔

استفتاء اگر مسلمان پدر ذی واد و ابن ذی فانی تانہ کہ در عتقاد مجدد و مصیبت کند پسر مسلمان را می گوید کہ مراد عتقاد برسان شریفاً آن پسر را شاید کہ آن پدر را بکشد و در عتقاد برساند یا نہ۔

(فتویٰ) نہ و اشہد اعلیٰ

(سوال) اگر کسی مسلمان کا باپ ذقی ہے اور اس میں اتنی سکت نہیں کہ وہ (تہا) عتقاد مانے اور مصیبت کا ارتکاب کرے۔ (وچو باپاٹ کرے) وہ اپنے مسلمان بیٹے سے پرہیز ہے کہ وہ اسے مندر تک پہنچا دے تو کیا شریعت کی رو سے اسے عتقاد تک پہنچانا جائز ہے یا نہیں۔

(جواب) نہیں۔

(استفتاء) و ما قولہم و اگر آن پدر ذی واد عتقاد است پسر را می گوید کہ مراد عتقاد برسانہ شریفاً درین صورت شاید کہ اوراد عتقاد برساند یا نہ۔

(فتویٰ) شاید و اشہد اعلیٰ

(سوال) اگر یہ ذی باپ عتقاد میں بیٹھا چلا ہے اور اپنے مسلمان بیٹے سے اسے حجر پہنچانے کے لیے کہتا ہے تو کیا اس صورت میں اسے اپنے باپ کو حجر پہنچانا جائز ہے کہ نہیں۔

(جواب) جائز ہے۔

اللہ عبادت سے ملنے پر راضی ہوتا ہے کہ وہاں تک ایک مسلم اور اس کے کافر والدین پر شریعتی حدود کے مطابق تمام نعمت اور حقوق کی ادائیگی کا مسئلہ ہے تو نہ توئی خود شایا اس کی پوری ادائیگی کی اجازت دیتا ہے لیکن صبر و استقامت کے ساتھ غیر مسلم والدین کی اطاعت باندہ کو ناروا تصور کرتا ہے۔ یہ اصول و قوانین کہ خود کوئی مسلمان کے

کے مانتے سے منقہ فطر کی ادائیگی واجب ہوگی۔

(جواب: نہیں۔
استفتاء: اگر ذی صدقہ منقہ برسلان (دہی) مالدہ و مسلک ماہی دین ذی
جس کنند بانی۔

(فتویٰ: کھنڈر مٹا دینا
مسئلہ: اگر کوئی مسلمان کسی ذی کاشال کے گھر پر سودیم کا مقروض ہے (اور وہ
رض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہے) تو کیا اسکی مسکن کو قید کیا جاسکتا
ہے کہ نہیں۔

(جواب: کیا جاسکتا ہے۔
ان باتوں سے یہ لگتا ہے کہ جو تاجر اپنے حق خنوع کے استعمال اور معاملہ قرض کے قصے میں ایک غیر مسلم کو بھی
قانونی طور پر جبری کے وہ حقوق حاصل تھے جن سے ایک مسلم پر ہوتا۔ منقہ فطر کی مذکورہ دونوں صورتوں میں جو غیبت
دیاجیا ہے اس سے اسلامی شریعت کی انصاف پسندی مزید قائم ہوتی ہے۔ مختلف معاشرتی حقوق میں مسلم و غیر مسلم
کے مابین عدم تفریق پر مزید دلیل اس سے فراہم کی جاسکتی ہے کہ خلافتی میں متعدد معاملات کے جواب میں زمین کے
ملکیت کا حصول اور اس کے استعمال کا حق اسی طور پر غیر مسلمین کو دیا گیا ہے جیسا کہ ان صورتوں میں مسلمانوں
میں حاصل ہوتا ہے مثلاً اگر ذی زمین موت را ایا کردہ ایا نکج و شری شرعا آلہ زمین را
(استفتاء: اگر ذی زمین موت را ایا کردہ ایا نکج و شری شرعا آلہ زمین را

ملک شود بانی
(فتویٰ: شود۔ وانشاء اللہ
مسئلہ: اگر ایک ذی مسکن یا شری طور پر اتحادہ زمین کو اپنی کاشت میں لانیے تو
کیا وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

(جواب: ہو جائے گا۔
استفتاء: اگر ارضیات زمین کا فروغ و جزیر قبول کردہ اند زمین از زمینهای خود فروشد
یا تعین مملکت می کنند شرعا جایز باشد بانی۔

(فتویٰ: باشد وانشاء اللہ
مسئلہ: اگر وہ لوگ جنہوں نے جزیرہ فروغ کی ادائیگی قبول کر لی ہے اپنی زمین کے
کسی حصہ کو فروخت کر بی یا اس میں کوئی ماحولانہ تعین کر بی تو کیا شریعت کی
دست سے جائز ہو گا کہ نہیں۔

(جواب: جائز ہو گا۔
استفتاء: اگر ذی زمین شری خریدہ شرعا بیک ذی مشرق واجب شود یا غرض۔

(فتویٰ): خلیفہ: ولشد اعلم
(سوال): اگر کوئی ذمی مشرکی زمین کا کوئی حصہ خریدتا ہے تو اس پر مشرکی ادا کیل واجب ہے
یا خلیفہ۔

(جواب): خلیفہ کی ادا کی واجب ہوگی۔

(استفتاء): اگر مسلمان از سہری زمین خرابی بخرد شفا آن زمین خرابی باشد یا مشری

(فتویٰ): خرابی: ولشد اعلم

(سوال): اگر کوئی مسلمان کسی کا زرے خرابی زمین خریدتا ہے تو کیا یہ زمین خلیفہ بانی رہے گی

یا مشری ہو جائے گی۔

(جواب): خرابی باقی رہے گی۔

اس طرح فتاویٰ فیروز شاہی کی رو سے ذمی زمین اپنی زمینوں پر قبضہ قائم رکھنے کے مجاز تھے بلکہ ان میں مالکان
حقوق بھی حاصل تھے اور انھیں اسی طرح خرید و فروخت کی آزادی حاصل تھی جس طرح مسلمانوں کو یہ حقوق ملے چکے تھے۔
مزید برآں اختلاف کا راضی پس شری اصولوں کے مطابق مالکانہ حقوق ثبت کرنے کی آسانیاں ذمہ داروں کو بھی حاصل تھیں۔ اس
سے آگے بڑھ کر فتاویٰ فیروز شاہی نے جان و مال اور ہڈیوں کی حفاظت کے سلسلے میں ذمیوں کے ان حقوق کی بھی وضاحت کی
ہے جو اسلامی شریعت میں ان کے لیے متعین ہیں۔ مثال کے طور پر ایک استفتاء فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

(استفتاء): دیت ذمی و مستامن بادیست مسلمان برابر باشد یا نہی۔

(فتویٰ): باشد ولشد اعلم

(سوال): ذمی و مستامن کا خون ہوا ایک مسلمان کے خون ہوا کے برابر ہوگا کہ نہیں۔

(جواب): برابر ہوگا۔

جہاں تک ان کے املاک و املاک کا سوال ہے فتاویٰ فیروز شاہی میں ان کی حرمت و حفاظت پر اس قدر زور دیا
ہے کہ وہ ان کی ان چیزوں کو نقصان پہنچانے یا تلف کرنے کو بھی روا تصور نہیں کرتا جن کو ذمی مسلمانوں کے گھر میں رکھنے کے
کا۔ نہیں ہیں۔

(استفتاء): واگر آں ذمی را غیر شدہ بود کہ غیر و غیرینہ در شہر نیارند و ہا دیگر آہود و شرفا

باشند مسلمان اور ادب کند یا نہی۔

(فتویٰ): کند ولشد اعلم

(سوال): اگر ذمی کو یہ علم ہو کہ مسلمانوں کے شہر میں خرابی دھڑی نہیں ملتا تھا ہے اس

کے بعد وہ ذمی دھارہ اسے لے آیا تو کیا مسلم خرابی اس کی سرزد کی کہ

نہی۔

(جواب): نہی۔

(استفتاء): ماگر آں ذمی مالہ بود کہ غیر و غیرینہ در شہر مسلمان و نہ ہا نہی و نہی

لادو آھد شرقا بادشاہ مسلمان فرما رہتین و حکم اور آکشتہ فرما ید
ہائی۔

(فتویٰ) : اے بادشاہ اسلام
(سوال) اور ان کا کیا فیصلہ ہے اگر اس ذی کو یہ علم کہ شراب و خمر مسلمانوں کے
شہر میں نہیں لانا چاہیے اس کے باوجود وہ باز ڈاکا اور اچھڑیوں کو لے آیا تو
کیا مسلم حکمران شراب کو بہا ڈالنے اور خمر پر کو مار ڈالنے کا حکم دے یا نہ۔

(جواب) : نہ دے۔
(استفتاء) : مقررہ ہو اگر مسلمان آن خمر مائلت کر د شرقا برل مسلمان ضمان آں خمر۔
واجب مسود ہائی۔

(فتویٰ) : شہد۔ علیہ السلام
(سوال) : اور اگر کوئی مسلمان اس شراب کو خلیج کر دے تو اس پر اس کا تاویل واجب
ہوگا کہ نہیں۔

(جواب) : ہوگا۔

ان سوالات و جوابات سے کمالی واضح ہوتا ہے کہ مسلم شہروں میں خمر و خمر پر لانے پر ذی مذہب و شکنی کے لیے موجب
قرار دے چکے ہیں لیکن ان چیزوں کو تباہ و برباد نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ ذہبوں کے نزدیک ان کی حیثیت مائ
ہے اور مسلمانوں کے نقطہ نظر سے حرام ہونے کی وجہ سے ان کی اس حیثیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔
ہندوؤں کے مذہب کی طوطی سے متعلق بھی متعدد سوالات و جوابات اس مجموعہ کتابی میں مذکور ہیں ان۔
ملاحظہ فرمائیے کہ شرابی کے ساتھ وہ اپنے مذہبی رسوم و رواج پر عمل آوری کے مجاز تھے، وہ مندروں میں
پہنچا ہوا کر سکتے تھے۔ اس میں شہر نہیں کہ قریبیت کے قانون کے تحت مسلمانوں کے شہروں میں نئے مندروں کی نو
کے لیے منع تھا لیکن پرانے مندروں کی حرمت کی انھیں پہنکی اجازت حاصل تھی۔ ذیل کا استفتاء فتویٰ اس مسئلہ
تعلق رکھتا ہے۔

(استفتاء) : اگر ذی تہذہ و شہر میں از شہر ہای مسلمان اصلاحی کند کہ پیش انہیں
نہوچوں شہر مسلمانیں منسجہ شد اسلام است شرقا وائی و مسلمان را سجد
کہ اصلاح از اصلاح آں تہذہ منسجہ ہائی۔

(فتویٰ) : رسد علیہ السلام
(سوال) : اگر ذی مسلمانوں کے کسی ایسے شہر میں تہذہ نویر کرتا ہے جس میں پہلے وہ تھا اس
صحت میں جب کہ مسلمانوں کا شہر اسلامی طیار قائم کیے جانے کے لیے ہوتا
ہے، کیا حرمت کی نکتہ سے حکمران اور مسلمانوں کو یہ تہذہ بچانا ہے کہ وہ اپنے
اس تہذہ کو دیکھیں۔

وہاب و حنفیہ ہے۔

(استقامت) اگر وہ دینی اور دہائی و دہلا اسلام (بتکلم) احداث کی کندہ و دران شمار
اسلام اقامت کی کندہ شرقا اور ارفع کندہ پانی۔

(خوشی): فی و اسناد اعلیٰ

(سوال) اور اگر دینی اسلامی مملکت کے کسی ایسے گھول میں مندر قمر کرنا ہے اور اسلامی
شمار (جو) عیدین و عیدوں) قائم نہیں کیے جاتے تو کیا شریعت کی رو سے اس
قمر سے اسے روکا جائے کہ نہیں۔

(جواب): نہیں۔

اوپر کے مباحث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فتاویٰ فیروز شاہی کی رو سے زمینوں (بشمول ہندو) کو منصف
سبھی و معاشی موقوف حاصل تھے، مذہبی معاملات میں بھی وہ کافی حد تک آزاد تھے البتہ ایک مسلم حکومت کے شہری جو نے
کی حیثیت سے اس سلسلے میں ان پر کچھ پابندیاں ضرور عاید تھیں اور وہ بھی باقصوں اس منصف کے تحت کہ عوام کی
اخلاق و سماجی زندگی میں بگاڑ نہ آنے پائے۔ مذکورہ استفسار و فتویٰ کے تحت جو مسائل زیر بحث آئے ہیں ان سے یہ
بھی واضح ہو رہا ہے کہ عوام علماء و فقہاء نے اس وقت کے دیگر مسائل کے ساتھ مسلم و غیر مسلم تعلقات کے موضوع میں بھی
دیکھ بھل اور اخلاقی مسائل میں انھوں نے اس نقد نظر کو ترجیح دیا جو ہندوستانی مملکت اور ماحول میں زیادہ موزوں
قابل عمل تھا۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فیصلوں کی بابت فتاویٰ فیروز شاہی کے مذکورہ موقوف کے
برخلاف فیروز شاہ تغلق کے ہاں میں جدید و موافقین عام طور پر یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ ایک شدید قسم کا متعصب سلطان تھا
جس نے ہندوؤں کے ساتھ زیادتی کی اور ان پر بھی پابندیاں عاید کیں۔ دراصل یہ تاثر سلطان کے مذہبی و سیاسی نظریات کو صحیح
طور پر نہ سمجھنے اور ہندوؤں کے ساتھ اس کے رویہ کو اس کے عام اصولی سیاست اور درحکمرانی سے الگ کر کے دیکھنے کی پیداوار
ہے۔ لیکن مسلم حکمران کی حیثیت سے فیروز شاہ نے اپنا مملکت نظر شرعی قوانین کی روشنی میں حکومت کے نظم و نسق کی اصلاح و قانون
کی اخلاقی و سماجی زندگی کی درستگی اور عوام کی فلاح و بہبود کو بنیاد رکھا۔ اس کی سیاسی کامیابی اور انفرادی حکمت عملی (خواہ
اس کا تعلق مسلمانوں سے ہو یا غیر مسلموں سے) پر غور کیا جائے تو ان میں کسی جذبہ کی کاذبائی نظر آئے گی۔ نرم بالا کے ستم
یکہ سلطان کی ملکہ ہیبت اور دین پسندی کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ تعصب و رنگ فکری کا رویہ تھا
حالانکہ دونوں کو قدم و قدم پر گناہی طرح سے ملتی جلتی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سلطان نے شرعی قوانین کے نفاذ پر
خاص زور دیا لیکن اس کا مطلب ہندوؤں کے حقوق کی نفی اور مسلمانوں کا بے جا حمایت کرنا نہ تھا۔ اس نے مذکورہ بالا
جذبہ کے تحت جو اقدامات کیے یا حکومت کے اصول و ضوابط میں جو تبدیلی کی ان کا تعلق بغیر کسی تعصبیت و مصلحت عام سے
تھا۔ مثلاً کے طور پر قانون شریعت اور نظام حاصل میں تعالین پیدا کرنے کے لیے اس نے ان تمام حاصل کو منسوخ قرار دیا جو
شریعت سے متصادم تھے۔ ظاہر ہے اس احترام سے ہندو و مسلم سبھی کو رامت ملی۔ قانون جو بن کے نفاذ کو اس کے مذہبی عقائد
اور ہندوؤں کے ساتھ نسبت و رویہ کی ایک مشہور مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جس سے یہ کہہ کر کوئی ناقانونہ نہ سمجھتا

جس پہلے بار عبدالعزیز شاہی میں نافذ کیا گیا، بلکہ شریعت کی نکتہ میں اس قانون کی تجدید سے جو اس سلطان کے زمانے میں
انہماک پائی۔ اس کا ایک عقد یہ بھی تھا کہ سلطان نے اس سے ہرجمنوں کا استثناء فرم کر دیا اور پانچ سو اس بندہ پر لیا گیا کہ ہر ہرجمن
میں ہرجمنوں میں ذہبوں کے اس ہفتہ (مجاہد کے خدام) میں شامل نہیں کیے جاسکے جو شرعی طور پر اس سے سختی قرار پاتے ہیں۔
دوسرے بات یہ ہے کہ جدید ہرجمنوں کے یہاں اس قانونی تدبیر کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہے لیکن اس کا ذکر بہت کم کیا جاتا ہے
کہ اس نے ہرجمنوں کے مسئلے میں شریعت جو یہ بھی حقیقت کی اور ان کے تمام ہرجمنوں (امیر، حرم، اہل حق) پر کیسوں کی طور پر سالانہ
فی کس ایک نکتہ عاید کیا۔ اصل یہ ہے کہ جزیرہ کے نفاذ میں سلطان کی دلچسپی یا اس سے متعلق قانون کی اصلاح کو اس کے
پورے فکر حاصل کے سبب قیاسی دیکھنا چاہیے جس میں شریعت کے قوانین سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش نمایاں نظر آتی ہے
یہاں یہ ذکر کرنا کہ جسے خالی نہ ہو گا کہ سلطان نے ایک جانب ہندو عورتوں کا مندروں میں جانا ممنوع قرار دیا تو دوسری جانب
مختلف مندروں پر سالانہ عرس کے موقع پر مسلم عورتوں کی زیارت پر بھی پابندی عاید کی۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں اقدامات
کے وقت سلطان کے پیش نظر ان اخلاقی برائیوں کا سد باب رہا جو عوام پر مروجہ و زلزلہ کا یہی اہم منبع سے جڑ پاتی ہیں۔
اسی تناظر میں یہ بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ سلطان نے ان فرقوں اور تحریکوں کے اہم ارکان کو قرار دہی مزا دینے میں کسی
امتیاز کی روئے کار نہیں دیا جو اپنے گمراہ کن نظریات اور غیر اخلاقی اعمال کے ذریعے ذہن بے راہ روی اور فکری کی پیدا کرنے
تھے۔ ان میں اہمیتی اور ملاحد فرقے کے سربراہ اور گمراہی بھیلانے والے بعض نام نہاد و صوفیا، شامل تھے اور فرقہ وارانہ دعوہ کو
دینے والے بعض برہمن بھی تھے۔

سلطان فیروز شاہ کی ہندو مخالف پالیسی کے پروپیگنڈے میں منادر کے انہدام کی مثالیں بھی بڑے
نفاذ کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں لیکن واقعہ یہ کہ منامر مآخذ میں ان واقعات کی تفصیلات کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے۔
تو یہ واضح ہو گا کہ اس طرح کے اقدام کے نتیجے میں اسلامی قانون کے بعض دفعات کی تعمیل یا اخلاقی فراہم کے دور کرنے کا جذبہ
کا فرما تھا مثلاً فقہان پور، صالح پور اور گواڈ کے منادر کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ سلطان نے ان کو منہدم کر دیا
کہ اس وجہ سے حکم دیا تھا کہ وہ نئے منادر بنائے جو اسلامی مذہب کی خلاف ورزی میں مبتلا نہ گئے۔ لیکن بعض منادر کے سما
یکہ جانے کی وجہ واضح طور پر یہ بیان کی گئی کہ وہ بد اخلاقی اور منکرات کا اڈہ بن گئے تھے۔ حاجی گند اور گڑگوٹ کے منا
دروں میں بہت سے دور ان منہدم ہوئے جیسا کہ مورخین صراحت کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ایٹور لہا کا یہ تبصرہ بہت متوازن و سادہ
ہوتا ہے۔

فیروز شاہ نے ایک دن اسلامی قانون کے تحت اور دوسری طرف

بلکہ بھلائی کے پیش نظر ان مندروں کو توڑا۔ فیروز شاہ نے معاملہ

سے بحیثیت سرکار کا مذہب پالیسی کے مندر میں پیش کرتے ہیں۔

اس سے اور آگے بڑھ کر سلطان کی ملی دیکھیں کہ جائزہ لیا جائے کہ منامر ہرجمنوں کی ان کا دائرہ بھی بہت وسیع اور تنوع
فکری سے خالی تھا۔ بلاشبہ مذہب کا علم بالذہن فقہ اسلامی سے اسے خصوصی شہت تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ "تاریخ"
پریش دھ میں بھی اس کی دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سے اہم یہ کہ اس نے ہندوستانی مذہب سے گہرا
تعلق رکھا بلکہ سنسکرت کی کئی ایک کتابیں کا فارسی میں ترجمہ کر کے مسلمانوں کو ہندوؤں کی مذہبی خدمات سے حوا

کہا۔ ان کتابوں میں علم ہیئت کی ایک کتاب بھی شامل تھی جو ترجمہ کے مہد "دلائل فیروز شاہی" کے نام سے معروف ہوئی تھی۔
 ان تمام تفصیلات سے یہ رواج کرنا مخصوص ہے کہ سلطان فیروز شاہ کی ہندوستان پالیسی، تنگ نظری و پہلے جاسٹری
 کی جو داستانیں بار بار دہرائی جاتی ہیں ان کا تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ مسلم مآخذ سے یہ ثابت ہوتا
 ہے کہ اس نے ہندوؤں سے متعلق جو اصول و منوال جاری کیے یا انضمامی قدم اٹھائے وہ اس کی مدد سیاسی پالیسی اور
 اصلاحی کوششوں کا حصہ تھے۔ ان سے مقصود نہ حکومت کو شریعت اسلامی سے منطبق کرنا اور حزب اخلاق و قوم
 رواج کو ختم کر کے عوام کی اخلاقی و معاشرتی زندگی میں منہ بھر لانا تھا نہ کہ کسی شخص یا فرقہ پر بے جا سختی کرنا یا اس کے ساتھی و
 شہری حقوق کو سلب کرنا۔ مگر جو یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ انضمامی اقدامات، سماجی اصلاحات اور ہندوؤں کے مسائل میں
 سلطان نے جو کچھ کیا وہ اسلامی شریعت کے مابین مطابقت تھا لیکن اس حقیقت سے انکار مشکل ہے کہ ان تمام امور میں فیروز
 قوانین کی ترویج کی ایک سنجیدہ کوشش نظر آتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس سلطان
 مہد میں ہندوؤں کو جو حقوق ملنا ہوئے اور ان پر جو ذمہ داریاں عاید کی گئیں ان میں اور فتاویٰ فیروز شاہی کے مباحث
 میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ درحقیقت فتاویٰ فیروز شاہی اور اس مہد کی دوسری فقہی کتابوں کی تائید کو
 منصف بہت حد تک انفرادی و سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق اسلامی قوانین کی اشاعت ہو اور لوگوں میں یہ
 رواج پائیں۔

حوالے

- ۱۔ محمد علی بن حامد بن ابی بکر الکوہی، پچ نامہ، میدراپور، ۱۹۰۹ء، ص ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۳۔
- ۲۔ فیاض الدین برہنہ تارخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۱۰۹، ۱۱۱۔
- ۳۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۱۱۱۔ بحوالہ سمیعہ نعت محمدی، مخطوطہ رضا لاہور، رام پور۔
- ۴۔ فیاض الدین برہنہ، فتاویٰ جہانگیری، ردو لٹریچر، رولڈ گراف نمبر ۶۰ (مخطوطہ انڈیا انس) برسرچہ لاکھنؤ شیعہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، ورق ۱۳ الف۔
- ۵۔ ایضاً ۱۸۱۸ء
- ۶۔ برہنہ تارخ فیروز شاہی، ص ۸۷، ۱۳۱، ۲۹۰، ۵۷۴، ۵۷۵۔ منیف، تارخ پچہ فیروز شاہی، ص ۱۸۰، ۳۶۶، ۳۸۲، ۳۸۳۔
- ۷۔ فتوحات فیروز شاہی، ص ۱۵، ۱۶، ۱۷۔
- ۸۔ فتاویٰ فیروز شاہی، ص ۴۸۴ ب، ۸۷ ب
- ۹۔ ایضاً ۴۸۴ ب
- ۱۰۔ ایضاً ۳۳۱ ب
- ۱۱۔ ایضاً ۵۵ الف

۴۶ ب	خود فیروز شاہی -	۴۶
۱۸۶ الف	ایضاً	۴۷
۳۰۰ الف	ایضاً	۴۸
۵۰۹ الف	ایضاً	۴۹
۲۱۴ ب	ایضاً	۵۰
۲۱۴ ب	ایضاً	۵۱
۱۴-۱۶ س	خداوی فیروز شاہی	۵۲
	فتوحات فیروز شاہی -	۵۳
	بہاں اسلام دیکھنا چاہیے۔ نابا یہ کتابت کی نقل ہے۔	۵۴
۴۵۳ الف	خداوی فیروز شاہی	۵۵
۷۶ الف	ایضاً	۵۶
۷۶ الف	خداوی فیروز شاہی	۵۷
۵۰۸ ب	ایضاً	۵۸
۱۲۵ الف، ۳۷۲ الف	خداوی فیروز شاہی	۵۹
۲۲۳ الف	ایضاً	۶۰
۲۵۵ الف	ایضاً	۶۱
۲۵۴ ب	خداوی فیروز شاہی	۶۲
۲۳۶، ۳۳۹ الف -	ایضاً ۳۹۸ ب - نیز ملاحظہ کریں۔	۶۳
۵۰۸ الف	ایضاً	۶۴
۵۰۸ الف	ایضاً	۶۵
۵۰۸ الف	ایضاً	۶۶
۲۱۳ ب	ایضاً	۶۷
۲۱۸ الف	ایضاً	۶۸
۲۱۸ ب	ایضاً	۶۹
۵۳۸، ۵۶۱ -	برنی، ضیاء الدین - تاریخ فیروز شاہی -	۷۰
۱۲۰۵، ۵۱۲	فتوحات فیروز شاہی،	۷۱
	غنیہ، کتابت فیروز شاہی، کتابت اسلامیہ، اسلام آباد، اس سے متعلق تفصیلات	۷۲
	مضمون، عہد فیروز شاہی کا نظم، ماسلمہ، اسلامی قانون کے متاخر	۷۳
	میں - یہ ملاحظہ فرمائیے - تحفہ کتابت اسلامی، جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۳۳۸	۷۴
	سہانہ رائے، بینکاری - خلاصہ التواریک - دہلی، ۱۹۳۳ء	۷۵

۹۱۸	م	فتوحات فیروز شاہی	۳۵
۸۰۰	م	ایضاً	۳۶
۱۰۰۹	م	فتوحات فیروز شاہی	۳۷
۱۰۰۹	م	ایضاً	۳۸
۳۳۶	م	سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	۳۹
۱۱۹۳	م	ایشور ٹوپا - ہندی مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اصول، علی گڑھ، ۱۱۹۳	۴۰
۳۴۰	م	سیرت فیروز شاہی	۴۱
۲۹۳	م	سیرت فیروز شاہی م - ۲۹۳ - عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ	۴۲
۲۴۹	م	۱۲۹۸	

BULLETIN OF THE INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES

No. 1 (1957)	Rs. 7-00
Nos. 2 - 3 (1958-59)	Rs. 10-00
No. 4 (1960)	Rs. 12-00
No. 5 (1961)	Rs. 12-00
Nos. 6 - 7 (1962-63)	Rs. 12-00
Nos. 8 - 9 (1964-65)	Rs. 12-00
Nos. 10 - 12 (1966-79)	Rs. 15-00
Nos. 13 - 16 (1980-83)	Rs. 25-00
Nos. 17 - 21 (1984-88)	Rs. 25-00
No. 22 (1989)	Rs. 25-00
Nos. 23 - 25 (1990-92)	Rs. 30-00

Can be had from :

**PUBLICATIONS DIVISION
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH - 202 002**

تحریک مشروطیت ایران اور شیخ فضل اللہ نوری

احسان الحق *

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں تقریباً تمام ایشیائی اور مشرقی اقوام جدید مغرب اور دنیا کے ہر ذرا کو گھیر چکی ہیں۔ ان جدید نظریات میں جمہوریت (Democracy) آبادی، برابری و مساوات، پارلیمانی طرز حکومت اور شمولیت (Universal Suffrage) خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں۔ مذکورہ زمانے میں اکثر مشرقی ممالک مثلاً ہندوستان، مصر، و غیرہ میں مشروطیت و جمہوریت اور پارلیمانی طرز حکومت کے لیے تحریکیں وجود میں آچکی تھیں۔ ایران میں بھی تحریک اسی زمرے میں (۱۹۰۵ء) اس تحریک کا آغاز ہوا۔ اس وقت ایران میں قاجار خاندان کے بادشاہ نیرنگ کی حکومت تھی جو ایک طرف تو لوہا لکڑی مافوق کے زیر اثر تھے اور دوسری طرف بذات خود مطلق العنان و مطلق الملک کی طرح حکومت کر رہے تھے۔ ایران کی تحریک مشروطیت (Universal Suffrage) انہیں حالات کا نتیجہ تھی۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۱ء تقریباً سات سال تک یہ تحریک ایران میں سرگرم رہی اور بالآخر کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔ اس تحریک کے پیروں کا ہر طبقہ، دانشور، طبیب، صنعت کار، تجارت پیشہ شخص کار اور یہاں تک کے علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ مضمون اسی حصے کے ایک عالم شیخ فضل اللہ نوری کے متعلق ہے۔

ایرانی تحریک مشروطیت میں روحانیت یعنی علماء کے رول کی اہمیت خاص طور پر اسے مقبول عام کرنے اور عوامی حمایت فراہم کرنے میں ان کے حصے کی اہمیت سے نہ تو ان کے مخالفین اور نہ ہی جدید مومنین انکار کرتے ہیں لیکن تحریک مشروطیت میں علماء کی فعالیت یا مشروطیت کے بارے میں ان کے نظریات اور خیالات ہمیشہ یکساں نہیں رہے اور نہ ہی انہیں احوال و معاہدہ تمدنیت کی حیثیت سے اس میں حصہ لیا۔ اس لئے اس دور کی ایرانی مصانیت کو عام طور پر دو حصوں میں بانٹا جاتا ہے ایک گروہ مشروطیت پسند یا "روحانیوں مشروط خواہ" علماء کے نام سے موسوم ہے، جبکہ دوسرا استبداد پسند علماء یا "روحانیوں مستبد" کے گروہ کے نام سے مشہور ہے۔ مشروطیت پسند علماء انہیں کہا جاتا ہے جنہوں نے کھل کر معروف تحریک مشروطیت کی حمایت کی بلکہ اسے مذہبی جواز بھی فراہم کیا۔ جب کہ استبداد پسند علماء نے تحریک مشروطیت کی مذہبی نفاذت کا اور شاہ اہلخانہ کی حکومت کو کھل کر مدد دی۔ اول الذکر طبقے کے علماء میں سید محمد باقر مجلسی اور سید محمد اسماعیل کاظم سرخسیت نے جہاں سے تحریک کی حمایت کی ان علماء کو عراق میں علماء نجف کو بلائی اور علی

ہمسایہ مسلطہ میں کسی خاص سیاسی نقطہ کا وہم نہ کیا جاسکتا ہے۔ انٹاشی سیاسی فکر کے مطابق موجود صورت تمام ہی واحد نصیب ہے جو مذہبی اور سیاسی اختلاف کا مستحق ہے بلکہ مہذبہ سنی میں انٹاشی نقطہ کے لیے ایسے ہی محنت حاصل کے ہیں جو مہذبہ اور غیر مہذبہ اختلاف سے چاہے وہ کشمی جو باغی ملی مسالمت اور باجی مسالمت قائم کیا جائے اور یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ نسبت اسلام کے زمانے میں مسالمت کو اعتقاد اور نفاذ سے پہلے کے لیے موجود حکومتوں سے باجی مسالمت کی بنیاد پر تعلق رکھے جائے جسے ایک سری ملو ملو کی صورت پر غور کرنے کے زمانے کی ان تمام حکومتوں کو نا جائز اعتقاد اور یا اور یہ بات بھی حاصل کی کہ یہ مسائل جالی رہی کہ شریعت اس کی تفسیر اور نفاذ کا تمام صوبہ اور صرف تمام صوبہ ہے۔

شیخ فضل اللہ نے اسی نکتہ کو مشروطیت اور مجلس (پارلیمنٹ) کے خلاف زبردست دلیل بنا کر پیش کیا ہے۔ انہوں نے کہا ان میں کہ یہودی طرز پر تیار کی گئی مجلس (پارلیمنٹ) کو قانون سازی کا بھی حق حاصل ہے اس لیے مجلس (پارلیمنٹ) کا قیام ایک طریق سے امام غائب کے نظریاتی تقاضے میں داخل اندازی اور ان کے اس حق کو غصب کرنے کے مترادف ہے یہی وہ نقطہ کے مطابق شریعت سراسر رادہ ایزدی کا نام ہے اور جہاں تک اس استیصال کا تعلق ہے کہ مجلس (پارلیمنٹ) صرف غلطی کے لیے قانون سازی کا کام کرے گی جس میں شریعت خاموش ہے تو اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ شریعت تمام مسائل مسالمت چاہے وہ دینی یا اخلاقی جو سیاسی یا حکومتی جو سب کا احاطہ کرتی ہے اور اس سلسلے میں کسی نئے قانون کی تمنا پیش نہیں رہی اگر ایسا ہو تا کہ زمانہ کسی نئے قانون یا شریعت کا متقاضی ہو تا تو خدا فرما دے اس کا انتظام ضرور کرتا کہیں کہ یہ انٹاشی عقاید کا اہم سنگ ہے کہ خدا مسالمت کو بھی بغیر ہادی و رہبر کے اکیلا نہیں چھوڑتا اور اگر شریعت ناقص اور فرسودہ ہو گئی ہے تو اس کا بھی انتظام مشکل طرف سے کسی بھی یا امام کی بدلت کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

اسی بنیادی اور اصل کے ساتھ انھوں نے تحریک مشروطی کی مخالفت شروع کی تاہم انھوں نے اس بات کے امکان سے انکار نہیں کیا کہ ایک نئے دستور اور مجلس (پارلیمنٹ) کو قیام عمل میں آسکے۔ بشرطیکہ دستور خلافت شریعت کی بنیاد پر لکھا گیا ہو اور مجلس کا نام "ہے دستور سازی اور شریعت کے امور میں مداخلت کے "انتظامی" اور "اجلی" ہو، اس طرح انھوں نے ایک محدود اقتدار والی مجلس (پارلیمنٹ) کے امکان کا خیال تو ظاہر کیا جس کو بعض انتظامی مسائل میں قانون بنانے کا بھی حق حاصل ہو تا جس کے ساتھ یہ شرط بھی لگائی کہ اس مجلس (پارلیمنٹ) کے پاس کوئی قانون کو جبکہ کرنے کے لیے ایک مجلس عامہ بھی قائم کی جائے جو تمام کی تمام مسائل پر مشتمل ہو۔ اپنے ایک پمفلٹ میں شیخ ندوی نے ایسے دستور کو "نظام بر اسلامی" کا نام دیا ہے جبکہ ایک دوسرے پمفلٹ میں ایسی مجلس (پارلیمنٹ) کو "عدالت خانہ" کا نام دیا ہے۔ دو اسل خطبہ کے مطابق علماء نے مجلس (پارلیمنٹ) کے لیے بہتر عدالت خانہ کا بھی خدا استیصال کیا ہے۔

شیخ ندوی کی برحق چوٹی مہریت کو دیکھتے ہوئے دسمبر ۱۹۰۷ء میں انھیں اس بات پر مدافعت کو مجبور کیا کہ وہ خود دستور اسلامی کو چھوڑ دے اور اس کے ساتھ مل کر اسلامی قوانین و شریعت کے مطابق بنائیں۔ اس سلسلے میں شیخ نے سب سے پہلے انگریز جمہوریت کی ایک مجلس عامہ (Anglo-Pakistan Commemorative Council) کے قیام کا سوسہ مطالبہ کیا اور مجلس (پارلیمنٹ) کے قوانین کی گواہی کی اور یہی مسئلہ اس مجوزہ سوسہ میں علماء کے دائرہ اختیار میں ان کے انتخاب کے لیے یہ کہہ کر پیش کیا کہ شریعت کے مطابق انھیں ایک مجلس عامہ (پارلیمنٹ) کو دیا جائے۔ دستور اسلامی کا سوسہ مجلس (پارلیمنٹ) کو دیا جائے۔ دستور میں کہ لیا جائے۔

مائل تھے۔ اہل حق کے دوسرے گروہوں اور مولوں مثلاً استغناء شیراز اور تبریز کے علماء بھی اس کے ساتھ تھے۔

علاء کے ان دو گروہوں میں تحریک شریعت کے دور میں یعنی ۱۱۹۰ء سے ۱۱۹۹ء تک مشروطہ کے مجاز یا عدم مجاز کے سلسلے میں سخت جھگڑا کر آئی اور متفقہ ہوئے بغیر دونوں طرف سے شرعی و فقیہی دلائل فراہم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس سلسلے میں ہم نام نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی وہ ہے شیخ فضل اللہ نوری کی عوامی طور پر استبداد پسند علماء میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کی پاداش میں انہیں ۳۱ جولائی ۱۸۰۹ء کو اس وقت جہانگیر لکھا گیا جب مشروطیت پسندوں نے دوسری مرتبہ فتح حاصل کی دستور کو مائل کیا گیا اور ماسوں کا دوبارہ اقامت مل میں آیا لیکن شیخ فضل اللہ نوری کو استبداد پسند علماء میں شمار کرنا اگر غلط نہیں ہے تو کم از کم یہی کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں خود کہا کہ ”میں بنیادی طور پر مشروطہ کے خلاف نہیں ہوں“ لیکن یہ ایک الگ بحث ہے۔ یہاں مقصد شیخ فضل اللہ نوری کے مشروطہ کے بارے میں ان کے خیالات اور اس سلسلے میں ان کے فقیہی اور شرعی استدلال کا خلاصہ پیش کرنا ہے۔

شیخ فضل اللہ نوری کے خیالات جاننے کا ذریعہ دو مہلث خطوط افتخارے اور چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں جو انہوں نے تحریک کے دور میں وقتاً فوقتاً لکھے اور اکثر مفت تقسیم کیے تھے ان میں سے اکثر یہ ان پمفلٹ چھوٹے رسالوں اور فتاویٰ کی ہے جو انہوں نے تہران میں مسجد شاہ عبدالعزیز میں اپنے بستر کے دوران لکھے یہ رسالے روزنامہ شیخ فضل اللہ کے عوامی فتووں سے شائع ہوتے رہے۔ دور مشروطہ کے ایک ممتاز تاریخ نویس احمد کروی تبریزی جو خود بھی اس تحریک میں شریک رہے اور تبریز میں تحریک مشروطیت کے لیے اہم رول ادا کیا نے لکھا ہے کہ اس طرح کے رسالوں کا دوسرا شائع ہوا۔ پہلا سلسلہ وسط جولائی سے آخر جولائی ۱۹۰۷ء تک اور دوسرا سلسلہ اگست کے پہلے پھٹنے سے شروع ہو کر ۲۰ اگست ۱۹۰۷ء کو ختم ہوا۔ ان دونوں سلسلوں میں انیس سو اسی پمفلٹ شائع ہوئے یعنی کل ۳۸ پمفلٹ شائع کیے گئے۔ ان رسالوں میں سے چند سالے بیسویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی تھیں تاریکوں اور انفرادی یا دو دستوں میں شائع کیے گئے تھے لیکن کچھ رسالے ایک ہی جگہ پر لکھے گئے تھے مگر حالیہ دور مشروطہ میں خاص طور پر ایران میں انقلاب کے بعد یہ رسالے تلاش کر کے شائع کیے جاتے تھے۔ شیخ فضل اللہ نوری کی دوسری اہم تعینات میں ایک رسالہ ”تذکرۃ انجمنین ولا مشاوا لہما علیہ“ کے نام سے اور دوسرا ایک عربی نمونے کی شکل میں بھی جو انہوں نے وسط ۱۹۰۸ء اور وسط ۱۹۰۹ء کے درمیان اس وقت لکھی جب منتخب مجلس (پارلیمنٹ) توڑ دی گئی تھی اور قری خود حکومت کی حمایت کر رہے تھے۔ یہ کہنا فحش ہے کہ رسالہ پہلے تحریر کیا گیا تھا یا فتویٰ۔ مگر دونوں تحریریں میں طریقہ استدلال اور مواد ایک جیسا ہے۔ اول الذکر رسالہ اسماء لہاد سے بہت اہم ہے کہ اس میں ان کی زبان اور لہجہ مندرجہ بالا پمفلٹ کی زبان اور لہجہ سے مختلف ہے۔ اس میں بھی مسئلہ ہندوستان اور زبان و مذاہب سماجی سہمہ ملی اور فقیہی ہے جبکہ پمفلٹ کی زبان کہیں کہیں مایا زاد ہے اور اس میں ملی سہمہ کے بجائے الزام تراشی اور منظرانہ تحریر کا پکا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ پمفلٹ لکھے گئے تھے مشروطیت قرار دینے کے خلاف ایک محاذ کھڑا کرنا تھا۔ یہ رسالہ زبان کے لحاظ سے شیخ عبدالفضل اللہ نوری سے حاصل ہے۔

موجودہ کتاب کا پہلا مجاز کے بارے میں اس کا حق تجویز پر علماء کے نہ پہنچنے کی سب سے بڑی وجہ شافی خود

ہر ایک مجلس کو ہم جیسا اور کسی کے مافیہ میں (ایڈمنسٹریشن) میں کسی نے۔ بعد میں جو چیز مندر کر لی تھی لیکن نوی کا مجوزہ مسودہ
تصویب میں لایا، بلکہ ترمیم کے انتظام میں مجلس (ایڈمنسٹریشن) نے اپنے پاس منتقل کر لیا۔ اس کے بعد شیخ نورانی کی صحت مشروط
کے لئے سنت چلی تب تک مشروطی حکومت کا قیام ہو چکا تھا اور مجلس (ایڈمنسٹریشن) اجماع کر رہی تھی اس لیے وہ سارے زبانی منتقل
کئے گئے۔

جس ۱۹۰۰ء میں صحت نے لیا گیا اور شام نے اقتدار ہمدرد قبضہ کر لیا اور مجلس (ایڈمنسٹریشن) توڑ دی۔ اس موقع پر شیخ
نورانی نے کل کر شاہی حکومت کی حمایت کی بلکہ مدد کر دیا۔ باغی ہوئی اور دربار تصنیف کیا جس میں تفصیل سے مشروط اور مجلس کی حالت
حالت میں دلائل پیش کیے۔ اس دوران تصانیف میں انھوں نے اپنے دلائل کو آگے بڑھایا ہے اور نئے حکومت میں شیخ کے جس
ایک خاص فرقہ برائین اصلاح اور ان تصانیف میں یہ ہے کہ مؤلف نے کہیں مجلس کی کاروائیوں کے تجربے کی بنیاد پر
دلائل کا سہارا لیا تھا کیا گیا ہے۔ دوسرا سب سے اہم فرقہ یہ ہے کہ ان تصانیف میں شاہی حکومت کی حمایت میں دینی دلائل
پیش کیے گئے ہیں جب کہ پہلے کے دلائل میں یہ بات نہیں ہے۔ شاہ کو شاہ اسلام کا نام دیا ہے اور اس کی حکومت کو دینی شاہی
میں سیاسی نظریے کے مطابق ہی اور بہتر قرار دیا ہے۔ مشروطیت کے خلاف اپنے استدلال کو آگے بڑھاتے ہوئے انھوں نے
اسے خلاف شرط اور بدعت کہا ہے۔ جس علماء کی اس تشریح پر کہ مجلس نے قانون نہیں بنایا ہے گی بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں تشریح
کے بعد احکام کو صحیح و تشریح کے خلاف دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تشریح کے احکام کی تشریح و توضیح صرف اور صرف علماء کا جائز
حق ہے ذکر ہر خاص و عام کا۔ امام مہر صادق کہ وہ مفہم رعایت میں ہیں علماء کو تشریح کے قوانین کی تشریح و توضیح کا ذرہ وار
بنایا گیا ہے و لا حال دینے ہوئے کہے ہیں کہ مجلس (ایڈمنسٹریشن) اس کے علماء کے حقوق کو غصب کرنے کی بھی سزاوار ہو گی۔ لکھے ہیں

”اگر مجلس میں امور مذہبی کی مجاز چلی تو بھی اس کے لئے مجلس کی ضرورت

نہیں ہے کہیں کہ یہ کام ایک شخص سے چاہا آ رہا ہے اور اگر مجلس شرعی
اور کی جگہ چلی تو یہ دینی امور میں بدعت کو رواج دے گی۔ کہہ گئے کہ تشریح کا
تعلق صرف اور صرف ولایت سے ہے۔۔۔ اور زمانہ غیبت میں ولایت فقہا
اور مجتہدین کا حق و ذرہ وار ہے نہ کہ بنیاء مجاز و طبع کی۔ مذہب امامیہ
میں کثرت رائے اس کے خلاف ہے۔“

مزید صفحہ چہا

”زمانہ غیبت کربلی میں نئے امور و الحوادث اور اقراء میں احکامات حق و
ذہری فقہاء کیسے کہے اور ان احکامات کے اجماع کا حق بھی انھیں کا ہے
یہ فقہائی ذرہ واری ہے کہ وہ معاملات میں تحقیق و تحقیق کے بعد حدود و جاری
کو پہنچ یہ کام کسی اور فرد کا نہیں.....“

الحوادث و اقراء کی صورت میں تمام امور کے لئے نائب الامام کی تائید
الامام و علماء کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے اور وہ کتاب و سنت سے
استنباط کے ذریعہ احکام جاری کرنے کے مجاز ہیں نہ کہ نئے قانون بنا کر۔“

مزید پہلے بعض علماء اور شریعت پسندوں کی اس دلیل کو چنگ نہمانہ نقیبت میں تمام امور میں علماء کی اتباع لازم ہے اور علماء کی خبر قضاوتے مجلس اور مشوریت کے حق میں غرضی دیا ہے، چنانچہ یہ نقیبت مندر مجلس کی اتباع فرض چاہائی ہے ہے جس کے اگر بات خلاف شرع ہو تو جہد کی تھیکہ کی باطل قرار پاجائی ہے۔ اگر مزید جہد کی کہیں کہیں اس کی بنیاد امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر مبنی ہے تو کمی بخل ہے کیونکہ اگر کہیں کہیں یہ قرار پیر ہے جب کہ سب جانتے ہیں کہ وہ کتبہ تو یہ کہنا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ عالم فاضل پر ہے۔

مصلحت نوری نے اسلامی وحدہ وصلی کے اس اثنا عشری فقہ کا بد ہار اعلیٰہ کیا ہے جس کے مطابق نقیبت کرنی میں معاملات کو دو گروہوں میں بانٹ دیا گیا ہے ایک "امور امت" دوسرا "امور دولتی" یعنی حکومت کے معاملات اور یہ دونوں ملکا دو الگ الگ لوگوں کی ذمہ داری ہیں۔ "امور امت" علماء کی جب کہ "امور دولتی" بادشاہ یا حکمران کی ذمہ داری تسلیم کیے گئے ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی ذمہ داریوں میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ شیخ نوری لکھتے ہیں:

"ایسا کہ سلفین میں نبوت اور حکومت مختلف تھی۔ کبھی ایک ہی نبی میں یہ دونوں چیزوں کی گئی تھیں اور کبھی دونوں میں الگ الگ۔ نبی اکرمؐ پر آفری نبی ہیں میں یہ دونوں چیزیں ملتی تھیں اور پہلے ہائزہا ہے تھانزہ طرز پر ایسا ہی ان کے خلفاء کے زمانے میں رہا لیکن حوادث و واقعات کے حوادث کے نتیجے میں یہ یہ دونوں امور یعنی احکام دینیہ کی ذمہ داری اور حکومت و سلطنت اور حفظ امن کے کام دوم اگر میں مل گئے۔ حالانکہ نقیبت یہ ہے کہ یہ دونوں امور ایک دوسرے پر منحصر ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ مثلاً اسلام کی بنیاد انہیں دو امور پر منحصر ہیں..... ان دونوں کے بغیر احکام اسلامی مصلی ہو کر نہ جائیں گے۔ درحقیقت سلطنت یا حکومت ایک ابراہانی ادارہ ہے جو احکام اسلامی کا املا کرتا ہے اور تحصیل عدالت احکام اسلامی کے اجرا پر منحصر ہے..... اوائلی اسلام میں رسول اکرمؐ اور ان کے ذمہ ذاتی قربت کی وجہ سے عدل بالمعنا زیادہ عام تھا بعد میں امام زمان کی غیبت کے بعد جب کہ ساسہ امور ان کے نائبین خاص (ولا، واعلم) و عام (علماء) کے پاس آئے تو بعض واقعات کی وجہ سے متناہیں میں علم ٹور پر کمر بندی واقع ہوئی۔ چنانچہ مختلف اوقات و حالات اور علماء اور سلطنت میں کسبھی اور بے اعتدالی کے مطابق عدل میں کمی گئی اور بنیادی باتوں سے یہ واقع ہو جاتا ہے کہ (قیام) عدل کے لیے ان دونوں اور اولیٰ یعنی وہ جو احکام اسلامی سے واقف ہیں و علماء اور دھرم کے ساتھ میں قیامت ہے کہ تقویت فرمادی ہے۔ یہی تحصیل عدل کا بہترین ذریعہ ہے۔"

مزید کہ اگر مجلس کوئی نیا قانون بناتی ہے اور اس کی اطاعت مسلمانوں پر فرض کرتی ہے اور اس کی حکم عدلی پر نفاذ کرتی ہے تو یہ کسی خلاف شرع چیز۔ دستور کی بنیادی شقوق کام اور دینے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ستم کے مطابق خطہ انہی

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ شیخ فضل اللہ ذریعی خلیفہ دینی اور پھر مجلس کے قیام اور شمولیت کے غفلت نہیں تھے، لیکن انہوں نے ایک ایسی شمولیت کا مطالبہ کیا جس کا نتیجہ شریعت اور احکام الہی ہیں نہ کہ مشرکی یا مغربی قوانین یا عوام کی رائے۔ اسے انہوں نے "شرطہ مشروط" کا نام دیا۔ ان کی فکر میں اگر ملی مجلس کا کام ایک "مجلس عمومی" سے زیادہ نہیں چاہتا ہے جو بعض سلطنت میں حکومت کی مدد کر سکی اور دین و ملت کی حفاظت کا کام کر سکتی۔ انہوں نے اسے پہلے مجلس کا نام دینے کے شرعی مطلق کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ انہوں نے پھر قیادی نکات کا مطالبہ کیا جس کے بغیر انہوں نے مجلس کے خلاف اچلی ناکامی واپس لینے سے انکار کر دیا۔ ان کے مطابق کم از کم ان چار اصطلاحات کے بعد مجلس کو کسی قدر شرعی حجاز فراہم کر جا سکتا تھا۔ وہ چار نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دستور اساسی کی مصلحتوں میں دستور سے پہلے فقہ "ہائے" بڑے علیا ہلے۔ اس سے پہلے کے تمام کام

میں انہوں نے مجلس کا نام "مجلس اسلامی" کے پہلے مجلس ملی رکھے جانے کی سنت مخالفت کی تھی۔

۲۔ کم از کم پانچ ممبرین کی ایک کمیٹی بنائی جائے جو مجلس میں ہلے گئے قانون کی نگرانی کرے گی اور

یہ دیکھے گی کہ کیا یہ قوانین شریعت کے خلاف تو نہیں ہیں۔ واضح ہو کہ قریباً یہ مطالبہ ملکی دیا گیا تھا لیکن ان

ممبرین کے انتخاب کا حق مجلس نے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ چنانچہ قریباً کوئٹہ و اتراس میں یہ تھا کہ یہ حق

مجلس کا نہیں بلکہ خود حاکم اعلیٰ ہے۔ مجلس اس بات کی اپنی آپس ہے کہ وہ ممبرین کا انتخاب کر سکے نیز

اس صورت میں مجلس نا اہل اور اپنی آراء سے مخالفت رکھنے والے علماء کا انتخاب کر سکتی ہے۔

۳۔ غیر اسلامی فرقوں سے حلقہ قانون شریعت کے مطابق بنایا جائے۔

۴۔ پریس اور اشاعت قوانین میں تبدیلی کی جگہ جس کے مطابق غیر اسلامی اور غیر شرعی اشاعتیں

پابندی شغلی ہائے جگہ

حوالے

۱۔ احمد کسروی تبریزی۔ تاریخ مشروط ایران۔ ج ۱، ۱۹۶۸ء۔ ص ۲۱۱

۲۔ محمد احمد کسروی نے خود قیادت کے تحت کیے ہیں۔ دیکھو ایذا ص ۲۱۰، ص ۲۲۳۔ ۱۹۲

اور ص ۲۳۸۔ ۲۳۳۔

۳۔ ان کتابوں کا سب سے اہم اور آسانی سے دستیاب مجلہ م ترجمان ہے۔ دیکھو ننگی اشرف

شبہ فضل اللہ ذریعی، ایران، ۱۳۶۳ شمسی ہجری۔ ذیلی میں ان کتابوں کے حوالے اسی مجلے سے

دیے جا رہے ہیں۔

۴۔ خدی کاچوراخص ہدی، ملک دادہ نے اپنی تاریخ انکلیب شمولیت ایران، جلد ۲، ص ۲۳۸۔

۵۔ پرفی کیا ہے۔

۶۔ اس کتاب کے بارے میں عبد اللہ فریدی، اینڈ اسٹیٹ ان ایران، برکے، ۱۹۶۶ء، ص ۷۱۔ کے

۷۔ ایس بی بی، اسٹیٹ اینڈ گورنمنٹ ان میڈیول اسلام، آکسفورڈ، ۱۹۸۱ء، ص ۲۵۸، ۱۱۱

امیر ہونے، دی سچے دوکان مینڈ ایڈ دی پلٹ امام، ص ۵۹۴ تا ۵۹۸، جوزف ہیمش، دس
 ششماشی طبعی مسجد شہری آن، بیکن اینڈ بیکن احمدی، اسٹڈیا اسلامکا، جلد ۱۹ (۱۹۶۹)
 ص ۳۰-۱۵۔

- ۶- ترکمان، عمار سابق ص ۶۰ و ۹۰-۸۹
- ۷- احمد کسوی تبریزی، عمار سابق ص ۳۴
- ۸- ایذا ص ۴۲۲
- ۹- دیچے ترکمان، عمار سابق ص ۳۵۶
- ۱۰- اس رواج کے لیے دیکھیے آیت اللہ روح اللہ فینی، حکومت اسلامی،
- ۱۱- سیدی ملک زادہ عمار سابق، ص ۲۱۱
- ۱۲- ایذا ص ۲۹
- ۱۳- ترکمان، عمار سابق ص ۶۶-۶۵
- ۱۴- سیدی ملک زادہ عمار سابق ص ۲۱۰
- ۱۵- ایذا ص ۲۱۳
- ۱۶- دیچے م. ترکمان، عمار سابق ص ۲۸۰ و ۲۸۳ وغیرہ
- ۱۷- سیدی ملک زادہ عمار سابق ص ۱۵-۲۱۳
- ۱۸- ایذا ص ۲۱۶
- ۱۹- دیچے م. ترکمان، عمار سابق ص ۸۸-۲۸۰
- ۲۰- دیچے ناظم الاسلام کرمانی، تاریخ بیداری ایرانیان، بی مقام ولی تارتخ ص ۳۲۱۔ شرطہ مشروط
 کی اصطلاح اگرچہ سب سے پہلے مشروطیت خواہ علماء مثلاً سید محمد باقر و غیرہ نے استعمال کی تھی لیکن
 بعد میں شیخ فوری نے اس اصطلاح کا استعمال انھیں کے خلاف اپنے دلائل میں شروع کر دیا۔
- ۲۱- ناظم الاسلام کرمانی، عمار سابق ص ۵۶۶-۵۵۸
- ۲۲- دیکھیے عتیق نقاشی، میں وکیل مس آف ملاز اسٹریٹ، انگریزی ترجمہ علاء الدین ہنگوی تہران،
 ۱۹۸۵ء، ص ۷۷۔

مولانا اسلم جیراجپوری — حالات و افکار

ڈاکٹر محمد اخطاتم احمد *

مہمہ جیراجپوری سے دودھ کا گیری تک اسلم گروہ میں راہلوں کے بے کاسراغ ملتا ہے جب ابھی من رائے اور ان کے
 بچے ہنس رائے بائیس ہونے زمینداری اسلم گروہ کے اندر حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تو جبرے جبرے راہلوں کو
 زمیندار بنانے ہوئی وہیں ان میں سے جب کہ لوگوں نے اسلام قبول کیا تو ان کو سرکاری مہدے حاصل کرنے کی سہولت حاصل ہوئی
 نتیجہ یہ ہوا کہ یہ غلام اسلم گروہ کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ اسلم گروہ کے شمال میں ہندکو سیر کے خاٹے پر میراجپور کا اول
 آباد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو میراج سنگھ نے بسایا تھا اسی سے ملحق ہندول گاؤں شنبلی کی جائے پیدایش بھی پایا جاتا ہے۔
 مولانا اسلم اسلم گروہ کے اسی معروف گاؤں جیراج پور میں پیدا ہوئے۔ اسی نہت سے لپٹے کو میراج پوری ٹکھنے لگے۔ ان کے
 بعد ان کے لپٹے شمس جیراج پوری اس رعایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ملازم شنبلی کے مویشی اعلیٰ طور پر اسلم گروہ۔ اس طرح
 دونوں کی رگوں میں راہپتی خدمت رواں پایا گیا۔ دونوں کا زمانہ قریب مہارت کا ہے۔ شنبلی ایک ہنگامی دور سے دوسرے
 چھٹی دور تک باقیات رہے۔ یعنی شنبلی سے ۱۳۰۰ء تک اسلم جیراج پوری کا زمانہ سہارا ہے۔ شنبلی ایک سہارا۔
 وقت کے ساتھ ساتھ شنبلی کو بڑی اولاد ہونے کے سبب دینی تعلیم دلائی گئی۔ مولانا اسلم جیراج پوری نے دینی علوم و فنون
 کے ماحول میں انھیں کھولی تھیں۔ یہ گیارہویں صدی ہجری کا آخری زمانہ تھا۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی تحریک کے پیشے تھیں پر پڑنے
 شروع ہو گئے تھے اور فقہ اسلامی کے میدان میں ہندوستانی علماء امتداد کی طرف قدم بڑھا رہے تھے۔ مولانا اسلم جیراج پوری
 کا شمار ان ایک علی و دینی ماحول میں ہوئی۔ ان کے والد مولانا سلامت اللہ بدست بھہرائی میں شکر علیہ السلام کے ہر احمد خانم

* سابق ریڈر شہر اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

میں تھے اس وقت کچھ مال دینی علوم اور انصاف علم حدیث کی اشاعت کا ایک اہم مرکز تھا جس کی ترقی میں نواب عبدالغنی صاحب
اور نواب شامیہاں بیک کی خدمات کو خاص دخل تھا۔ مولانا شروع سے ہی ایک ذہین طالب علم تھے۔ اگر ایسا دھڑا تو ان کے
علم پر ہر نئے دور میں نہ آتے۔ باوجود اس کی عمر میں مکتب میں داخل کر دیے گئے تھے جو ان کے دروازے کے سامنے تھا۔
یہاں ہی شکر اللہ استاد تھے جو فاضل اور محقق کے کچن کو بڑھایا کرتے تھے۔ میاں علی کے مزاج میں اتنی سختی تھی کہ ہر وقت
سموں میں آگ لگ رہتی تھی۔ پھر کو سنت اور ان کی مناسبتیں دیا کرتے تھے۔ ان دنوں کچھ روایتیں بھی تھیں کہ سر پرست
کہہ دیا کرتے تھے کہ مولوی صاحب بیک کو بڑھا دیکھو۔ ہڈی چڑا اپنا باقی آپ کا۔ مولانا سلامت اللہ نے اپنے بیٹے کو لکھی تھیں

کہہ دیا کہ تو یہ کھلایا کر کے مکتب میں صرف بیٹے کی حالت کے لیے بھیج دیا ہوں۔ اس کے ساتھ سختی نہ کیجیے گا چنانچہ انھوں نے اس
پر عمل کیا اور سختی سے باز آئے۔ اس کا اگر یہ تھا کہ جب مولانا نے خیرہ مسلمی اختیار کیا تو نواب علیوں کے ساتھ کبھی سختی سے پیش
نہ کیا۔ سزا دینے کے قائل نہیں تھے لیکن ایسا اتنا اختیار کرتے کہ کتابوں کو خود اس میں جوتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ
کہہ دیا کرتے تھے کہ ”دیکھو کیا کر رہے“ یا ”کیا بکنا ہے“ وغیرہ۔

بڑھتی پہلی عمر کے ساتھ ساتھ ان میں علمی استعداد بھی خوب بڑھتی گئی۔ دینی علوم پر دوسرے کے ساتھ ساتھ لکھنا
زبان سے بھی فطرتاً ہی برتی گئی۔ ان کے والد علی لکھن نہایت صاف، بے تکلف اور بے فکر لکھتے تھے۔ اس کا اثر بیٹے پر
بھی پڑا۔ علی فارسی، عربی، لغت و اصول، منطق، فلسفہ، ادب، حدیث، قرآن وغیرہ۔ کون سا فن تھا جس کو مولانا نے نہ
سیکھا جو۔ ہر طرح کی بصیرت میسر تھی، اس کے علاوہ سنیت و تالیف سے بھی غافل نہیں رہے۔ اس علمی گفت و شنید پر
قرآن مولانا کی عزیز کور دل پسند چیز تھی۔ قرآن سے عشق بڑھ گیا۔ میاں علی کہہ کہ اہل حدیث کی امانت سے محروم ہو گئے۔ آخر
نے حق پرستی کو مستند اختیار کیا اور دل کی آواز پر لبیک کہا۔ ذہن کا دل، اپنی دلچسپی و محنت اور خدا کی خوشنودی سے قرآن
میں اپنا تمام پیدا کیا۔ قرآن ان کے سینے میں ہر وقت موم درہتا تھا۔ ملاوٹ سے کبھی فطرت نہیں ہوتی تھی۔ تصانیف
سطح سے معاملے کی رفتار تیز ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن، کوئی حیثیت ہمیشہ قرآن کی رہی۔ زندگی بھر اپنی علمی دلچسپی کا دل کا خزانہ
قرآن نہیں پر فرما کرتے رہے۔ ہم قرآن کے بارے میں اہل انبیاء اس طرح کرتے ہیں۔

”جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مہد کا یہ سہ قرآن بالکل کھریا گیا اور اب ہم کو انہیں
کی نذر پر فطرت کرتا ہے۔ وہ قرآن کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم کا علم قرآن وغیرہ ملائے قرآن سے اس لیے افضل ہے کہ فاضل
نے اس کے علمی پہلو کو اختیار کیا اور جو کچھ سمایا آنحضرت علیہ السلام نے
کو کہا یا اس کی طرف برف تیل کی اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن صرف نیک
نہیں ہے بلکہ علمی بھی ہے اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے سے کچھ فلاح نصیب
ہوتی ہے۔ اس لیے صوبہ کا درجہ علمی لحاظ سے اس قدر بافضل تھا کہ اس کا

امت مل کر ہی اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی بلکہ جو لوگ غیر قرآن کو ان روایات میں الہامانا پاتے ہیں وہ صحابہ کرام سے مروی ہیں وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ قرآن کسی ایک ماحول کی کتاب نہیں ہے۔ اگر کسی ایک زمانے میں وہ ماحول کے رہا گیا تو بس ختم ہو گیا اور آئندہ کے لیے نصاب نہیں ملے۔ لیکن وہ قیامت تک کے لیے نصاب ہے اور ہر زمانے میں نئی روایتیں ملتی رہتی ہیں اس لیے اس سے نکال جا سکتی ہے۔ علاوہ برین روایات میں ذرا بیگ سے آتی ہیں وہ اس قدر نفرتی اور شائبہ ہیں کہ ان پر قرآن ہی ایسی اور جتنی چیزیں تشریح کا مدار رکھتا اس کی حقیقت کو کھنکھاتا ہے۔

مطلوبہ کا یہ بھی خیال ہے کہ ہماری زیادہ تر تفسیری قدرت پرستی کے نظریے کے ماتحت لکھی گئی تھیں۔ ان کے اختلافات ہیں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ وہ سلسلہ پر سلسلہ آیات کے ساتھ ملتی ہیں۔ یعنی ترمیم رہتی ہیں۔ آیات اور اختلاف کی نشیمن گاہوں پر جاتی ہے لیکن قرآنی مسائل اور حکامین کہ میں نہیں آتے کہیں کہ وہ مسلسل نہیں بیان کیے گئے تھے بلکہ مختلف سطحوں اور کثافت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے قرآن بھی کہے کہ یہ تفسیر زیادہ کارآمد نہیں ہے جس قدر انسان کا علم صحابین غلط کے حصول پر موقوف ہے اس قدر وہ قرآنی تعلیمات کی تفصیلات زیادہ سمجھنے کے قابل ہو گا۔

مطلوبہ کا منکر حدیث تو نہیں تھی لیکن بعد میں اہل حدیث بھی نہیں ہے۔ مدبروں کی حیثیت دینی کے بجائے تاریخی مانتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ خبریں تو نبی سے شام تک تبدیل ہو کر گھسے کہ جو جاتی ہیں۔ حدیث کی کوئی کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کے زمانے میں نہیں لکھی گئی تھی۔ مولا امام مالک دوسری صدی ہجری کے آخر میں تائید ہوئی۔ صحابہ سنہ تیسری صدی ہجری اور اس کے بعد کے زمانے میں مرتب ہوئی تھیں۔ صحابہ کرام روایت کے معاملے میں کافی متاثر تھے۔ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے سنا تاکہ :

”جو میرے اوپر صحبت ہوئے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے“

یا :

”کہ جسے سولہ قرآن کے کہ نہ کھو اور جو کسی نے کہ نہ دیا ہو تو اس کو شادی ہے“

ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خدیج بن عبدالمطلب نے کھرانے کی درخواست کی حضرت نے کھوا دیا مگر یہ چیزیں مستحبت ہیں شاربوں کی۔ حاکم بن حاتم نے قرآن کے سوا کہ دیکھا گئے کسی ایسے کے دور میں موقوف بلکہ جس میں کئی قرآنی روایات لکھی گئی تھیں اور روایتیں بیان ہوئے تھیں۔ بنی اسرائیل کی کوہ کے سلسلہ میں یہی لفظ قرآن کے لکھے میں پھر گئے تھے۔ بعد میں میں اولاد عباس سے بہت کہ تاجرانہ بیان کیا جائے گا۔

واقعہ کی حقیقت کوئی اور کہ قرآنی علم پر اس قدر اثر ملا ہے کہ ان کی جگہ اور تقدس کا احترام مل گیا۔

یہاں تک کہ ائمہ مدینہ بھی ان کے سامنے سچے پڑ گئے۔ اس سلسلے میں مولانا نے موضوعات کبیر کے حوالے سے ایک دلچسپ ماحول بیان کیا ہے کہ :

”امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے جو ائمہ حدیث سمیت بلند ترقی مقام رکھتے ہیں۔ ایک بار بغداد کے محلہ رضافہ میں کانز پڑی۔ مسجد میں ایک قصاب نے غریب شروح کی کہ سمیٹنے سے سنا امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے انھوں نے سنا ہے، انھوں نے قتلہ ہے، انھوں نے حضرت انس سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جب کوئی بندہ لالہ اللہ کہتا ہے تو اللہ اس کو کھڑے حروف سے ایک بندہ پیدا کرتا ہے جس کی پہچان کرنے کی ہوتی ہے اور پھر زمرہ دے۔ آخر تک تقریباً بیس سو کی روایت اس طویل داستان کو سن کر دونوں حضرات نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر پھر یحییٰ بن معین نے قصاب کو ابنا طرف بلایا اور پوچھا کہ یہ حدیث تم نے کس سے سنی ہے۔ اس نے کہا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل سے۔ انھوں نے کہا میں یحییٰ بن احمد بن ابی حنبل۔ ہم دونوں میں سے کسی نے آج سے پہلے اس روایت کو سنا تک نہیں۔ تم کو اگر صحت یونانی تھا تو کسی اور کا نام لیا ہوتا۔ اس نے کہا کہ میں نے سنا تھا کہ یحییٰ بن معین امت سے آج اس کی تصدیق ہو گئی۔ پوچھا یہ کیوں کر؟ ہوا شتر یحییٰ بن معین جہاں اور ستر احمد بن حنبل جہاں سے میں روایت کرتا ہوں۔ یہ تم نے کیسے کہہ لیا کہ دنیا میں بس ایک تم ہی یحییٰ بن معین ہو۔ یہ سن کر انھوں نے اسے سختی سے دھک لی اور چپ چاپ چلے گئے۔“

علامہ ابن جوزی نے وضع حدیث کے کہ اس سلسلہ میں جو موضوعات پر اثر انداز ہوئے۔

- ۱۔ ہنوفہ تو گولہ تو جوئی کے اوپر زہد غالب تھا، فقہ سمیت غفلت کی اور کہہ سکا کہ بیان کرنے لگے۔
- ۲۔ بعض اہل علم یا بدواً انہیں ضائع ہو گئیں اور انھوں نے کبیر کا فائدہ سے کام لیا اور وہ خیال ہیں۔ آپا کہ گئے۔
- ۳۔ بہت سے ائمہ راویوں نے بھی جن کی عقلوں نے بڑھ چاہے میں جہل دے دیا تھا، غلط روایتیں کیں۔
- ۴۔ ایچے لوگ بھی تھے جنہوں نے غلط روایتیں کر دیں اور ہم میں یا جو دہائی غلطی کے علم کے اس سے صحیح کرنا شائع کے غفلت کیا۔
- ۵۔ زیادہ تر ائمہ انہیں نے جو بجا ہر مسلمان جو گئے تھے لیکن وہ بدو اسلام کو مٹانے کی فکر میں

میں تھے اور عبد مہاسی میں ان کی تقلید کم کر دہی (ایسی حدیثیں جو ضعیف و شاذ ہوں) کو لٹکانے والی ہیں۔
 ۶۔ جب مذہبی لغزینی پیدا ہوئی اور سنی، کبیر، خدائی، قدسی، جہی، مرجہی اور معتزلہ وغیرہ فرقتیں بن گئیں اس وقت ان میں سے اکثر نے اپنی تائید اور دوسرے کی تردید میں حدیثیں وضع کیں۔
 ۷۔ بہت سے عابد و زاہد لوگ ایسے تھے جو عوام کو کسی اچھے کام کی نصیحت دلاتے اور کچھ کام سے ڈرانے کے لیے حدیثیں ٹکراتے تھے۔

۸۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ ہر ہندو یہ قول کے لیے اسناد و ترتیب دے لیتا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا جانتا رہے اور عملاً وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔
 ۹۔ خلفاء و امراء کے مقررین اور عاصفہ نشین ان کے سب منشاء و ایشیں ٹکراتے تھے اور ان کو اپنے اقرب کا ذریعہ بناتے تھے۔

۱۰۔ قہر گو، واقعہ اور مذکر مل جل جل کے انسانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہی کہ ان کی گرم بازاری کا سرمایہ ہی تھا۔

ساتویں صدی ہجری میں ہمارا تہذیبی کے باب میں کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی رضعتی کی تقریب میں شریک تھے یہ ہندوستان میں رہتے تھے۔ سترہ دس وفات ہائی۔ ذہبی نے ہمارا تہذیبی کے بعد روایتیں موضوعات میں شامل کی ہیں کی وجہ سے اختلافات پیدا ہوئے۔ قرآن خدا کا کلام ہے۔ اسلامی قانون کا بنیادی ماخذ ہے مسلمانوں کے معاملے اور معاملات کے فیذا سے تدبیر کیا نازل ہوتا رہا کہ عرب لوگ صحیح و صحیح بڑے عمل کو چھوڑ کر نئے اور کچھ احکام پر عمل کر گئے۔ حیرانی سے اپنے اور زندگی میں سدھار لانے میں ان کو آسانی ہوئی۔ اس لیے انھیں کچھ زبان میں نازل کیا گیا تاکہ احکام خداوندی کے سمجھنے اور عمل کرنے میں دشواری نہ پیدا ہو۔ جیسا کہ خدا خود فرماتا ہے:

”اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ“ (یوسف ۲۱)

”و ہم نے عربی زبان میں قرآن نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے عملی نمونہ پیش کیا جن کے اندر رعایت کے علاوہ معاملے کا اہم اور اہم نکال دیا گیا۔ لیکن کہ مدنی السی انسان کو اجتماعی زندگی سے روکا نہیں جاسکتا تھا۔ شرع و جو د میں کسی ناکہ اور کسی مصلحت کا کچھ فیصلہ ہو سکے۔ اختلافات اور دو سو بات پہلے ہی جیسے آج بھی ہیں اور آئندہ بھی چلی گی۔ نشان نزول کے وقت مسلمانوں کو کچھ اور سمجھانے پڑے تھے میں صحابہ کرامؓ کو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان کو سمجھانے نہیں تھے بلکہ عملی ہمارے ہی ہوتے تھے۔ ہر کچھ تمام صحابہ کرامؓ کا قرآن کا سمجھنا آسان نہیں تھا۔ کچھ اہل بیت کے مطابق قرآن کو پختہ تھے ہوتے تھے کہ وہ قرآن کو کہتے تھے۔ مولا کا لایہ خیال یہ ہے کہ قرآن کسی ایک حامل لکھ نہ پایا ایک حکمان کے ہوتے ہیں یہ اس میں کچھ آج بھی ہمیں ہے لیکن قرآن کو تو قرآن سے سمجھنا سب کے لیے آسان نہیں ہے۔ اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی غرض سے لکھا گیا جو نامشکل ہو گیا ہے۔ دوسرے کلام الہی کا موازنہ افعال انسان کے ساتھ کر کے ان کو عمل کرنے میں ہدایت دینا

کو کھو رہا ہے

قرآن کے کھنڈے کو دھڑلے چیا

۱۔ قرآن کی ذہن، ماحول اور فطرتی احوال کو سمجھنا۔

۲۔ سیرت کے ذریعے۔

بہلا طریقہ مشکل اور دشوار ہے لیکن دوسرا طریقہ آسان ہے۔ سیرت کو جاننے کے لیے حدیث کا سہارا لینا چاہیے۔
مسلمان کے سامنے ہے کہ حدیث کی حیثیت صرف دینی نہیں تاریخی ہے اور وہ اصلی طور پر قرآن کی تفسیر ہے اور اسلامی عقائد کا بنیادی ماخذ ہے۔ ہر حدیث کی اہمیت کا کیجے انکار کیا جاسکتا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حدیثیں رکھی جاتی تھیں، لیکن بہت کم۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی قرونوں نے اپنے پیغمبروں کی باتوں کو اس قدر الجھایا کہ انہی کی باتوں کو کھو بیٹھے۔ حضور اور صحابہ کرام نے جو قدم اٹھا یا بہتر تھا۔ بشریت کی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک صدی بعد تمام اچھا نہیں، غراہیں اور اختلافات کے بعد کئی احادیث کا سہارا لینا پڑا۔ آج اسلامی تاریخ اور معاشرت کا پورا مطالعہ قرآن و حدیث کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔ اگر احادیث ہلک کر دی جائیں تو کیا اس خلا کو پورا کیا جاسکتا ہے؟ حدیث جو اپنی حقیقت میں ہی ہے اس کا بدلہ کیا ہے؟ اگر کچھ صحابہ کرام کی حدیثیں جمع کر لی جائیں اور کتابی شکل دے دی جائے تو شاید کچھ آسانیاں پیدا ہو جائیں مگر یہ سو کم کافی دشوار تھا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتصال جو اقراس وقت ایسے صحابہ کرام کی تعداد صاف کم کے قریب تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حدیثیں بیان کرنے تھے جو مختلف جگہوں اور مختلف مقامات میں پھریں گے تھے۔

اسلامی قانون سازی کے سلسلے میں حالات کے تحت قرآن کے ذریعہ جو دست پدیاہی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فقہائے اسلام نے فقہ شریعت قانون کے منوں میں استعمال کیا ہے۔ مختلف فقہی مذاہب وجود میں آئے۔ فقہاء نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں اپنی فہم کے مطابق مسائل کی فوج اور تشریح کرنے کی کوشش کی ہے لیکن سو سے انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ مولانا فخر الرحمن عظیمی نے دراست میں بعض بنیادی غلطیاں سوس کیں۔ تحقیقی انداز میں اور واقفیت فی الاسلام کے نام سے عربی زبان میں ایک کتاب لکھی اور رائج کیا کہ اس فہم کی مدین قرآن کے خلاف واقع ہوئی ہیں۔

روایت سے ہٹ کر سوجنا سب کے میں کی بات نہیں ہے۔ اگر ہٹ کر سوچنے کی کوشش کی گئی تو اپنے فہم کے پوٹ کو نہیں سوجا لیا یہ افتراءیت مسلمان کے پہلی بات ہے۔ فہم قرآن کے سلسلے میں اپنی ذات کو الگ کر لینے کے بعد ان کی تعلیمت کے اعتقاد میں سوچتے ہیں۔ مولانا عبدالسلام قدوائی ایک وسیع انداز عالم تھے۔ انہوں نے مولانا اسلم علیہ رحمۃ اللہ اور مولانا ابوالحسن علیہ رحمۃ اللہ کے گہرے سے نکالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مولانا شکر حدیث کی طرح اصولی اعتبارات کو ان کی بنیاد نہیں رکھتے تھے۔ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ احادیث کی جانچ کے لیے قرآن کو میسر قرار دیا جائے جو حقائق ہیں تسلیم کرنا چاہئے کہ ان کی باتوں میں ذرا ناہمانی ہے۔ یہ بات محدثین کے مسلک کے میں غلطی ہے۔ ہاں مولانا اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ احادیث کی فقہاء میں سادہ سادہ نے اعتقاد ہے کام لیا ہے۔ اگر دیا جی ہے تو بہت کم۔ اسکا وجہ ہے ان کی فکر

میں روایات کا وزن ٹھٹھ گیا۔ وہ صفت باعمل متواتر کے پورے طور سے قابل تھے۔ اس لحاظ سے مولانا نے جہود علماء کے نظریے سے الگ اپنا نظریہ ضرور قائم کر لیا لیکن مل نہ پہلی کر سکے۔

مولانا جہاد سے مذہبی منکر سیاسی رہا بھی ہے۔ مولانا مذہبی فکر کے اندر جہود کو توڑنے اور نئے فکر کے آغاز میں اپنی منفرد حیثیت قائم کرنے کا بیاباں ہے۔ سیاسی فکر ضرور وہی غیر مذہبی لیکن پہلی سے دوسرے قوم کے لیے تلاش اور اضطراب کسوس کرتے رہے۔ انھیں اس بات کی قدرت حاصل تھی کہ سادگی اور انکساری میں رہتے ہوئے نئے طرز فکر کو نمایاں کریں۔ قومی تحریک کے جذبے کے تحت اور مولانا محمد علی کے اثر سے ملی گزراہ سے ہندوؤں کا کام چھوڑ دیا اور تحریک قومی پونوری جاسوسی میں شامل ہو گئے۔ جسے ہند کے بعد ہندو بلکہ برصغیر میں بڑے صاحب کپاس کراچی انفرینس کے رشتہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا کے لیے یہ کہہ کر دے بہت اہم تھا کہ اپنی فلسفہ ساری، خاکساری، نیک چہی اور انسان دوستی کے بدلے محبت ضرور ملی لیکن ان کو وہ تہذیبی سماج جس کے وہ اہل تھے۔ ان کو وہ ملی گزراہ میں رہا ہلے تو ان کی تعریف میں ہندو مت پر بلا تہذیبی تہذیبی خیر مگر سائنس دانوں کی "ملی گزراہ آنے سے پہلے ہی آف کو نصیحت و تائید کا شوق پیدا ہو گیا تھا لیکن اس کو جلا بیاں آنے کے بعد ملی۔ ان کی جتنی اہم اور مشہور کتابیں ہیں وہ ملی گزراہ ہی کے دوران قیام کے ہیں۔" ۱۰

مولانا اپنے ذوق، شوق علم اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے ایک غیر مروج تھے۔ ان کے حوالے سے مولانا نے نہیں جاسکتے ہیں ان کی دلیلیں سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ صحیح بات کہنے کے لیے کبھی سادگی کی تلاش نہیں جیتی کہ ان کی تصدیق نہ تھی۔ ان کا عقیدت اور وسیع مطالعہ ان کا ہمراہ ہوتا تھا۔ ایک مروجہ غور و فکر کے لحاظ سے صاحب ضرور ہوتا ہے۔ مولانا تحقیق نگاہیے میں دیکھنے اور دکھانے کے قابل تھے۔ وہ صرف مروج تھے، کتاب تاریخ نہیں تھے جو اپنی رائے کے مطابق ہر چیز کا انہی نگاہ میں ہے۔ قرآن ایک گہنی تاریخ بھی ہے، اس لیے مولانا نے اس کی کتاب کو اپنی تحقیق کی بنیاد بنایا۔ اسی کو سوائے ذیلے

ان کے لیے کمرے کھولے کو الگ کرنا آسان ہو گیا۔ تحقیق کے میدان میں مل کے ساتھ ساتھ ان کی زبان نے بڑا ساتھ دیا۔ وہ ایک اچھے ادیب، شاعر اور انشا پرداز بھی تھے جس کی وجہ سے ان کی تاریخ نگاری کے اندر ایک کشش اور فریضگی پائی جاتی ہے۔ مولانا کو وہ پیش چھین کتابوں کے معنی بھی لیکن شکل سے کوئی کتاب تاریخ کی فہرست سے الگ کی جاسکتی ہے۔ مثلاً تاریخ القرآن، میات ماضی، میات جہانی، میرت عرب و غیرہ، تاریخ محمد، تاریخ الامت (آٹھ جلدوں میں) خواجه۔ اس کتاب کے اندر مشہور مسلم خواتین کی زندگی کے متعلق بیشتر مضامین مولانا کے لکھے گئے ہیں اور چند سوچ سے لکھے گئے ہیں۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ بھی تاریخ کی ایک کتاب ہے۔ اور لفظ فی الاسلام فقہ تاریخ مذہبیت پہنچنے سے معلومات قرآن "دین و عقیدہ کی تاریخی دستاویز ہے۔" کتاب قرآن سوال و جواب کی شکل میں قرآنی مسائل حل کیے گئے ہیں۔ مشکلات اسلام "میں مولانا کی خود نوشت اپنی تاریخ اور دوسرے تاریخی مضامین شامل ہیں۔" ۱۱ اس کا وہ اسلام "اور عقاید اسلام" کے اندر بچوں کے لیے مضامین لکھے گئے ہیں جن کے اندر دینی تاریخ کو اسانہ زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ اسی طریقہ نو روایت "کے اندر تیس مضامین شامل ہیں جن کے اندر آں حضرت کا بچپن، مولانا، مولانا

نبوی، حضرت ابو ذر غفاری، حضرت اویس قرنی، علیہ رحمۃ اللہ، جیسے مضامین کو بھی تاریخ کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ ”ہم اہل بیت رسولانک انھوں کا محبوب ہے۔“ انھیں ایسی ہی جو تاریخ کی رد میں اپنی نظر آتی ہیں۔ مثلاً جلد باطلاناً علی ہزاروں کی قبل سے مدائن کی خوشی میں کھی گئی تھی۔ جزیرۃ العرب، ایک طرح سے جغرافیائی تاریخ ہے۔ عربی فطرت میں عربی فطرت کی تاریخ کے علاوہ ترک زبانوں، فارسی، ہندی زبانوں اور عربی زبانوں کی روایت میں نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا کے مشرق میں مختلف ملکوں اور جلید میں ملتے ہیں جو تاریخی ذمہ میں شامل ہیں۔

مولانا ذرا نہ خشک، مولوی تنگ نظر تھے۔ ان کے اندر شاعری کا بھی جذبہ پایا جاتا تھا۔ ان کی شاعری کے اندر قبول اسلوب کے بعد مدائن میں ثابت کی شاعری کی جھلک پائی جاتی ہے۔ لیکن جو شاعر جیسے شعرا آپ سے مل کر فیضان شاعری حاصل کرتے تھے۔ مولانا علامہ اقبال سے بے پناہ محبت کرتے تھے لیکن اپنی ذاتی رائے کو ان کی محبت اور عقیدت کے گردی رکھنے کے قابل نہیں تھے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ”مغرب کلمہ“ اور ”ایام مشرق“ کے مختصر حصے میں اپنے جملہ گانہ فرزند کی وجہ سے اقبال کی محنت ہاتھوں سے اتفاق نہیں کر سکے۔ صدیوں کی جدوجہد کی پہاڑی صرف اقبال کے سامنے نہیں تھیں بلکہ مولانا کے سامنے بھی حائل تھیں۔ دونوں کو وہ کئی میں لگے ہوئے تھے۔ مولانا کی وجہ سے اقبال کو اپنی تہائی کا احساس نہ ہوا اور بے اختیار مولانا کے ہارے میں کہہ گئے۔

”ودیدہ ام مردے درین قہر الجالو“

اقبال کے قبل اور اقبال کے بعد فرقان ہے جس کی وجہ سے انھوں نے مغرب سے بھرپور مقابلہ کیا۔ اسی جنگ میں اقبال نے فلسفہ، تزکین اور مکتب قرآن کے مفکرین اور دانش ور سے مدد لینے میں عارموس نہیں کیا۔ اس سبب میں جہاں سید سلیمان اور فراموش من نکالی سے تبادلہ خیال کیا وہاں مولانا اسلام جیلر کی پوری مدد لی۔

یہ کہ منقطع ہے سادگی مولانا کے اندر تھی یا مولانا سادگی کے اندر تھے۔ حالات اور مزاج کے تحت اپنی زندگی کو سب سے لیا تھا۔ روزمرہ کی زندگی میں خاص اصول کے پابند نہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ دوپہر کے کھانے پر ڈاکٹر ڈاکٹر صاحب کو مات کے لیے بنے ہوئے کو لے نہیں بیٹھ کرے جاسکتے تھے۔ اس میں بخل کا کوئی دخل نہیں تھا۔ مختصر آمدنی کا دیاں تردد

سختیوں کی لذت بہتے تھے جو مزید ملنے ان کے حوصلے کو دیا کرتے تھے۔ حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہوئے اگر لوگوں کے استغنا کو دیکھیں تو کوئی شب کی بات نہیں ہے۔ کچھ نہ ساری کی یاد دہری اور حضرت موسیٰ کی بیخبری میں تفریق کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اگر قومی تحریک اٹھ جائے تو ہمارے ہاں کو یہ سوا ہینک بڑتا۔ مولانا نے ہمیشہ ہر قسم کے کاروبار سے اپنے کو دور رکھا۔ زندگی بھر گھلنے لگی کو شے بہتے رہے۔ سماجی زندگی سے زیادہ تردد رہے۔ دینار سے زیادہ جہاد کی جستہ ہمدانی میں مدد اور ہمت افزائی کرتے رہے۔ ان کو کتنا اور پائا آسان بات نہیں تھی۔

مولانا کو اپنے وطن عزیز پر سے بڑا لگاؤ تھا۔ ہر سال پابندی کے ساتھ چمپوں میں ٹھہر جایا کرتے تھے۔ ٹھہرنے کے بعد مگوں کے معاملہ میں سماجیا کرتے تھے۔ ہر اور ہر شے کے لوگوں میں اپنے کو ڈھال دیا کرتے تھے۔ ٹھہرنے کی ہر شے سے کورس ۵۵۔ پڑانے کے لیے کھاکر اپنے اندر جاسا دلی کیفیت ملتی کر لیتے تھے۔ چھوٹے بڑے ان کو بلا کئے تھے۔

ایک اسٹاک سیما ہی ایک طرف کو کئی اختیار کیے جسے حق جو خاص موقع پر نذر دینے سے نمایاں ہوتی تھی۔ وہ غلبوں کو ہمیشہ جانتے تھے کہ یہ مدد دینگے جن شایاں جو ملن لیکن از دوا می زندگی کے لطف سے پیشہ مردم رہے۔ آخری پوری ایسی ہی پوری کہ انہیں جن کو ذہنی خلل سے دوچار نہ پڑا۔

سادہ غذا کا اندک بچنے کو فوقیت حاصل تھی اور اس میں آم کا تہہ پینہ بالادہ۔ یہاں تک کہ حقے حقے کے ساتھ تمام سلسلہ جاری رہتا تھا۔ بڑے انہر سرو و کین بہائی تھی تو مولانا عزیز واقربا سے بھی غافل ہو جاتے تھے۔ شکار کے شوقین تھے۔ بچوں کو بھی شکار کے لیے اکسالتے رہتے تھے۔ عموں کے مغرب کی جانب ایک بڑا تالاب ہے جہاں پہلی کاشتکار جو تاجا ہے ابھر رہا ہے میں بڑی پہلی کے بکڑنے کے حال کو جانتے ہیں۔ ایک مردانہ کے جھلے بیٹے بیٹے ڈاکٹر منظم نے ہاتھ سے پہلی پکڑتے ہوئے منظر کو فوٹو لیا اور سالہ پیام تیل میں شائع کرایا۔ تلخ کلائی سے دور رہے۔ ایک بھری عزیز نے جب روایت سے ہٹ کر پہلی پوری کی موجودگی میں دوسری شادی کی تو مولانا صرف کھنت کہہ کر رہ گئے۔ مولانا کے خاندان میں ایک شخص کچھ طالب علم کے زمانے میں شادی ہوئی۔ آمد و رفت بڑھی گئی تو ایک روز بلا کر کہا یا کہ ذرا کم آجا یا کچھ۔ حالات کے تحت وہ کچھ ایسا بد کہنے کو بڑی شخص سے سختی دونوں کے بعد سسرال پاؤ آئی۔

مولانا مذہبی اقدار کے امین تھے لیکن اپنی فکری ارتقا کی وجہ سے روایتی حدود سے بچے نہیں رہے نہ نفسوں بابتوں کو غلام میں لائے۔ اتفاق رائے کے امین بننے کی کوشش نہیں کی۔ اپنی بات منوانے کے قابل ہیں تھے۔ روشنی غیالی کی وجہ سے بدنام لیکن دینی داری کے عہد سے نیک انداز عالم تھے۔ آپ کی ذات متاثر اور اعمال کا ایک منظم اور مرد پرورد تھی۔ دین کی وحدت اور تسلسل کو نقصان پہنچانے بڑی فکری انداز کو اہاگر کہنے کی کوشش کی۔ کہہ گھوں نے انفرادی طور پر مولانا کو کچھ ایران کے خیالات کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کی ناکام محنت کا ثبوت دیا۔ مولانا کچھ پیچھے دے جانے پاؤں نزدیک کے قائل نہیں تھے کیوں کہ کچھ دکر دیکھنے کے بجائے آگے بڑھنا پسند نہ کیا۔ مولانا کے فکری سرچشمے کبھی غفلت نہیں ہوئے لیکن شبلی کی طرح ان کے ساتھ اجتماعی کائنات نہیں تھی جو اس کام کو آگے بڑھائی، اس لیے ایک نئے نقش کا قیام نہ ہو سکا روایت سے دبنا آسان ہے لیکن اس کو دبنا مشکل ترین کام ہے۔

حوالہ

- ۱۔ مولانا اسلم جیلانی پوری کی خود نوشت سوانح حیات (نقشہ، ۱۱۹۳) طبع اسلام کراچی، ص ۱۱
- ۲۔ مولانا اسلم جیلانی پوری۔ فہم قرآن۔ طبع اسلام کراچی، نقشہ ۱۱۹۳، ص ۱۲
- ۳۔ ایضاً ص ۱۳
- ۴۔ اسلم جیلانی پوری۔ علم حدیث طبع اسلام، دہلی، ص ۱
- ۵۔ ایضاً ص ۱۵

۱۶-۱۷ ص	اسلم حیران پوری	۶
۱۸-۱۹ ص	ایضاً	۷
۲۱-۲۲ ص	ایضاً	۸
۲۳-۲۴ ص	احمد امجدی - نورا اسلام - جلد دوم (اردو ترجمہ) - لاہور	۹
۲۵-۲۶ ص	مولانا عبدالسلام قدوسی - مولانا اسلم میری نظر میں جاسوسی حکم بابت حادیث نامی ۱۹۷۷ء ص ۲۹	۱۰
۲۷-۲۸ ص	پرویز - وہم و درویش، طلوع اسلام -	۱۱
۲۹-۳۰ ص	محمد سالم قدوسی - مولانا اسلم حیران پوری، نگارہ نظر (مورخان علی گڑھ جلد ۲۴)	۱۲
۳۱-۳۲ ص	جنوری تا جولائی ۱۹۸۸ء	۱۱۹

اشاریہ مجلہ علوم اسلامیہ

۱۹۶۰ء سے ۱۹۹۳ء تک

کبیر احمد خاں *

طباعت کے موجودہ دور میں ہر فن میں اس قدر ترقی شائع ہو رہا ہے کہ سب کا احاطہ کرنا ناممکن نہیں تو مفصل غور ہے جس کی وجہ سے حقیق کے میدان میں کتابوں اور رسائل میں مطلوب مواد تک رسائی کے لیے انڈیکس یا اشاریہ ایک بنیادی حیثیت کا حامل ہو گیا ہے۔ اشاریہ کی مدد سے محقق صرف انہیں رسالوں یا کتابوں کو دیکھتا ہے جن میں اس کی ضرورت آ رہا ہو جاتا ہے اور اس کا قیمتی وقت بھی بچ جاتا ہے۔

”مجلہ علوم اسلامیہ“ مستقل سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ ہندوستان میں اسلامیات سے متعلق جتنے رسائل شائع ہوتے ہیں ان میں اس کی اپنی انفرادی اہمیت رہی ہے۔ اس میں اب تک علوم اسلامیہ پر ادبی اور فکری و تہذیبی ذہن کی عکاسی کا حامل کافی مواد شائع ہو چکا ہے۔ اس مجلہ میں مستقل سے ذکر شدہ ایک شائع مضامین کا اشاریہ پروفیسر اکمل ایوبی (سابق ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ) نے مشغلاً میں تیار کیا تھا۔ اس کے بعد اب زیر نظر یہ اشاریہ پروفیسر محمد سالم قدوائی (موجودہ ڈائریکٹر) کی ہدایت پر تیار کیا گیا ہے جو مشغلاً سے ۱۹۹۳ء تک شائع ہونے والے مضامین، معلومات و مراسلات اور تبصروں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ اشاریہ سب ذیلی فہرستوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ فہرست مضامین نگاران۔

۲۔ فہرست مضامین۔

۳۔ فہرست تبصروں و معلومات جدیدہ۔

۴۔ فہرست معلومات و مراسلات

باروں فہرستوں کو حرف تہجی سے تیار کیا گیا ہے۔ بغیر فہرستوں کے ناموں کی ترتیب لائبریری سائنس کے بعد اسلوب کے مطابق کی گئی ہے۔ اس میں ہم کے بعد مقالہ کا عنوان، جلد نمبر، شمارہ نمبر، صفحات اور پھر آخر میں صفحات کا تذکرہ ہے۔

فہرست مضامین اور معلومات و مراسلات میں عنوان کے بعد مقالہ نگار کا نام، جلد نمبر، شمارہ نمبر و صفحات

* پروفیسر شمس الحسن، لائبریری ادارہ علوم اسلامیہ، اسلام آباد علی گڑھ

مآثر میں ملان کا اضافہ۔ اسی طرح جمعہ کی فہرست میں تبصرہ شدہ کتب کے متعلق کے بعد اس کے مصنف و مکتبہ کا نام، پھر طبعیہ، شمارہ نمبر، سنہ اشاعت اور پھر مکتبہ نمبر کے ساتھ ہے۔
(مرتب)

فہرست مضمون نگاران

انتظامیہ نمبر۔

اسپین میں تصوف کا انداز۔ جلد ۱۳، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۸۰-۸۱ء؛ ص ۳۶-۵۲

امیر، محمد اظہار۔

ذہنی منصب تعلیم۔ جلد ۱۵، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۸۹ء؛ ص ۸۹-۱۰۶
ہجرت کی سیاسی اور تاریخی اہمیت۔ جلد ۱۲، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۷۹ء؛ ص ۱۳۹-۱۵۳

امیر، مختار الدین۔

اور بیان امیر برون کی ایک گرم شدہ تصنیف۔ جلد ۱۲، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۷۹ء؛ ص ۱-۱۶
مقامی سہم و تقاضا میں بگڑائی۔ جلد ۱۴، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۸۸ء؛ ص ۵۱-۶۳
القرآن کی ایک نادر تفسیر مسجد تصنیف۔ جلد ۱۴، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۹۲ء؛ ص ۱-۲۳

امیر، مقبول۔

بہشت اسلام، ختم آل بنیاد اسلام کا سہ ماہی کاغذ نمبر۔ جلد ۱۱، شمارہ ۱، ۲
۱۹۷۰ء؛ ص ۳۳-۳۹

امیر، نذیر۔

حکیم سنائی غزنوی کی مقبولیت کو دیکھنے کے زمانے میں۔ جلد ۱۲، شمارہ ۲۱؛
۱۹۷۹-۸۰ء؛ ص ۲۰-۱۱۷

فرہنگ و فانا اور اس کا قدیم ترغیظ غلط۔ جلد ۱۳، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۸۸-۸۹ء؛ ص ۱-۱۱۷
ذہنی نظام تعلیم۔ جلد ۱۳، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۸۸ء؛ ص ۱-۱۰

فرہنگ جعفری۔ جلد ۱۵، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۸۹ء؛ ص ۱۷۵-۱۹۰
موسیقی اور علم۔ جلد ۱۴، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۹۲ء؛ ص ۱۳۹-۱۴۳
قصائد عربی کی ایک نیا تفسیر؛ جلد ۱۸، شمارہ ۲۱؛
۱۹۹۳ء؛ ص ۱-۱۱۴

میر محمد علی کشفی اور ان کی تصنیف متاقبہ مرقومہ - جلد ۱، شمارہ ۲۰۱
۹۱ - ۱۹۹۰ء ص ۱ - ۲۲

اختر الایض

علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں مکتبہ جامعہ کی خدمات - جلد ۱۳، شمارہ ۲۹
۹۶ - ۱۹۸۰ء ص ۱۳۱ - ۱۳۸

اسلم، محمد

دیوانہ نواح سید الدین امیری - جلد ۱۳، شمارہ ۲۰۱؛ ۸۶ - ۸۷، ص ۹ - ۲۳
اسلامی، سید الدین -
تفسیر اور علوم قرآنیہ میں مولانا سید الدین فراہی کے ابتدائی کارنامے کا ایک نمونہ -
جلد ۱۵، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۹۲ء ص ۸۶ - ۱۱۳

انجروی الدین

ایران کے سنی شہزاد کا ایک قدیم تذکرہ - جلد ۱۶، شمارہ ۲۰۱؛
۹۱ - ۱۹۹۰ء ص ۱۳۱ - ۱۵۰

احمد علی

ملکت فرانسیسہ و دراسات اسلامی اور ہندی مسلمان - جلد ۱۲، شمارہ ۲۱؛
۶۹ - ۱۹۷۲ء ص ۱۵۳ - ۱۷۷

انجم، غلام بیگ

انصار اہمال: تاریخ علی گڑھ کا قدیم مآخذ - جلد ۱۵، شمارہ ۲۰۱؛
۸۹ - ۱۹۸۹ء ص ۱۰۷ - ۱۳۰

علوم اسلامیہ میں فتح پوری کا مکتبہ - جلد ۱۳، شمارہ ۲۰۱؛ ۸۷ - ۱۹۸۸ء ص ۳۹
انصار، محمد

پندرہویں صدی عیسوی تک "ہندی" میں اسلام کی اشاعت - جلد ۱۳،
شمارہ ۲۰۱؛ ۸۷ - ۱۹۸۸ء ص ۱۰۵ - ۱۱۶

انصاری، محمد اقبال

مختصر و داد ابلاس ہنرموثر علوم اسلامیہ - جلد ۱۱، شمارہ ۲۰۱؛
۷۵ - ۱۹۷۰ء ص ۵ - ۸

ابنی، اسلم

ذی کا کمالی مرکز - جلد ۱۳، شمارہ ۲۰۱؛ ۸۷ - ۱۹۸۸ء ص ۱۹۷ - ۲۰۳
ذی کا کمالی مرکز - جلد ۱۳، شمارہ ۲۹؛ ۸۷ - ۱۹۸۸ء ص ۲۳ - ۳۱

بروفالدین سمیع محمد۔

مذہب و تہذیب کا مشترکہ موضوع کی خدمت۔ جلد ۱۰، شمارہ ۲، ۱۹۹۳ء میں ۶۵۔۴۱

جائسی اکبر علی محمد۔ ایک ترک اہلین شناس۔ جلد ۱۶، شمارہ ۲، ۱۹۹۰ء میں ۸۷۔۵۸

تفسیر قرآن پاک۔ جلد ۱۰، شمارہ ۲، ۱۹۹۲ء میں ۸۷۔۵۵

تفسیر قرآن مجید۔ جلد ۱۸، شمارہ ۲، ۱۹۹۳ء میں ۷۶۔۸۸

سید نعیمی کے علمی اجتہادات۔ جلد ۱۳، شمارہ ۲، ۱۹۸۰ء میں ۵۳۔۶۸

پیر زانور سون زانہ۔ جلد ۱۵، شمارہ ۲، ۱۹۸۹ء میں ۱۳۱۔۱۶۶

توسم کیا ہے؟ جلد ۱۳، شمارہ ۲، ۱۹۸۸ء میں ۹۳۔۱۰۲

خانہ عارفانہ۔ شیخ اودالدین بگرائی کی ادبی تخلیقات۔ جلد ۱۳، شمارہ ۲، ۱۹۸۰ء میں ۸۷۔۱۱۹

ص ۱۱۰ - ۱۳۰

شبیر باسیف۔

ملازمید الزمان اور اردو میٹھ خدمت حدیث ایک جائزہ۔

جلد ۱۳، شمارہ ۲، ۱۹۸۰ء میں ۱۵۷۔۱۷۸

شبیر انصاری۔

ادب اور تاریخ کے دوامی رشتے دکتر ابراہیم ہاستانی باریزی کی نظر میں۔

جلد ۱۲، شمارہ ۲، ۱۹۹۰ء میں ۸۷۔۱۱۲

شیرانی، ریاض الرحمن۔

ہندوستانی مسلمانوں کا رد عمل۔ جلد ۱۴، شمارہ ۲، ۱۹۸۸ء میں ۱۱۔۳۳

صدیقی، محمد نجات اللہ۔

اسلام میں سماجی فکدنگ تاریخ پر حالیہ تحریریں۔ جلد ۱۲، شمارہ ۲،

۱۹۹۶ء - ۱۹۸۸ء میں ۱۰۱۔۱۳۸

صدیقی، محمد رفیع اختر۔

اسلامی تاریخ نگاری کے مسائل اور ان کا حل۔ جلد ۱۳، شمارہ ۲،

۱۹۸۰ء - ۱۹۹۶ء میں ۶۶۔۱۰۳

محمد اویسی، سید۔

پہلی تاریخ اسلام۔ جلد ۱۵، شمارہ ۲، ۱۹۸۹ء میں ۳۶۔۷۸

عابدی سید امیر مراد -
 علی شریعتی - جلد ۲۱، شمارہ ۱۲۶ ۹۱ - ۱۹۹۰ء؛ ص ۴۳ - ۵۷
 سید بہاری -

غلام بہار کے مدنیہ کی عربی زبان و ادب میں خدمات - جلد ۱۳، شمارہ ۶۶
 ۱۹۹۰ء ص ۷۵ - ۹۲

علوی، مسعود انور (کا کہنی) -
 تنوچ کی دو اہم علمی شخصیات: شیخ علی اصغر اور رستم علی قنوی -
 جلد ۱۸، شمارہ ۲۱، ۱۹۹۳ء؛ ص ۱۱۹ - ۱۳۶
 کتب خانہ انوریہ کے چند مخطوطات - جلد ۱۳، شمارہ ۲۱، ۱۹۸۰ء (ص ۸۵ - ۸۸)
 فوری، شبیر احمد خان -

اخلافت اقبال پر ایک نظر - جلد ۱۸، شمارہ ۲۱، ۱۹۹۳ء؛ ص ۸۹ - ۱۱۸
 جیو بی بی کی عربی سیمینار اسلام کی خدمات - جلد ۱۵، شمارہ ۲۱، ۱۹۸۹ء؛ ص ۱ - ۴۲
 فاضل، نبیاد الحسن -

سید ابوالکلام احمد علی گڑھی - جلد ۱۱، شمارہ ۲۱، ۱۹۹۲ء؛ ص ۲۳ - ۴۴
 قاسمی، شریف الرحمن -

چند مشائخ کے بارے میں - جلد ۱۵، شمارہ ۲۱، ۱۹۸۹ء؛ ص ۵ - ۸۸
 مشائخ پشت اور پنجابو سید ابوالخیر - جلد ۱۶، شمارہ ۲۱، ۱۹۹۰ء؛ ص ۱۱۳ - ۱۲۳
 قدوائی، محمد سالم -

لیونوف، یوسف اور تعلیمات غلام احمد امیری - جلد ۱۶، شمارہ ۲۱، ۱۹۹۰ء؛ ص ۱۳۵ - ۱۴۴
 ہندوستان میں غلام احمد امیری - جلد ۱۶، شمارہ ۲۱، ۱۹۹۰ء؛ ص ۹۶ - ۱۰۲
 محمد الحق -

علامہ اقبال کے مذہبی افکار - جلد ۱۵، شمارہ ۲۱، ۱۹۹۰ء؛ ص ۱۰۲ - ۱۵۲
 مرتضیٰ، غلام -

جدید ہندوستان میں مسیحی و مقدسی تعلیم - جلد ۱۱، شمارہ ۲۱، ۱۹۹۰ء؛ ص ۶۵ - ۷۴
 مصطفیٰ، غلام -

انبارِ اہرام یا انبار السید الہرام کا ایک اہم مخطوطہ - جلد ۱۵، شمارہ ۲۱، ۱۹۹۰ء؛ ص ۶۴ - ۹۵

ندوی، احکام احمد

انڈیا میں مسالیت اور اشتراکیت کی کشمکش - جلد ۱۳، شمارہ ۲۱؛

۱۹۸۸ء؛ ص ۳۵-۵۰

فلاحی تبصیر کا تحقیقی مطالعہ - جلد ۱۱، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۹۲ء؛ ص ۲۵-۵۴

ندوی، سید ام المصطفیٰ علی

فیضانِ صدارت اہل اسلام، ختم آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس - جلد ۱۱،

شمارہ ۲۱؛ ص ۵-۱۹۶۰ء؛ ص ۳۰-۵۴

ندوی، محمد رابع الحسنی

عربی سہادت - عربی شاعری کی روشنی میں - جلد ۱۱، شمارہ ۲۱؛

۵۵-۱۹۶۰ء؛ ص ۵۵-۶۴

ندوی، محمد رفیع خانہ

نخلۃ استنباط اہل اسلام، ختم آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس -

جلد ۱۱، شمارہ ۲۱؛ ص ۵۵-۱۹۶۰ء؛ ص ۹-۳۲

فہرست مضامین

ابو سعید المرثدی کی ایک آرم شدہ تصنیف از احمد، منار الدینیف -

جلد ۱۲، شمارہ ۲۱؛ ص ۶۹-۱۹۶۶ء؛ ص ۱-۱۶

احمد آتشو، ایک ترک ایرانی شناسن از جانی، کبیر احمد -

جلد ۱۲، شمارہ ۲۱؛ ص ۹۱-۱۹۹۰ء؛ ص ۵۸-۸۶

اخبار الحمالو، تاریخ علی گڑھ کا قدیم مآخذ از انجم، غلام محی -

جلد ۱۵، شمارہ ۲۱؛ ص ۱۹۸۹ء؛ ص ۱۰۷-۱۳۰

انہار الکلام یا اخبار السجد المرام کا ایک اہم مخطوطہ از مصطفیٰ غلام -

جلد ۱۱، شمارہ ۲۱؛ ص ۵۵-۱۹۶۰ء؛ ص ۶۴-۹۵

ادب احمد تاریخ کے دولہا رشتے: دکتر ابراہیم باستانی باریزی کی نظریہ از شعیب علی -

جلد ۱۲، شمارہ ۲۱؛ ص ۹۱-۱۹۹۰ء؛ ص ۸۷-۱۱۲

اسپیوٹرم، شرفانہ انکد از احتقار بنو صرف -

جلد ۱۳، شمارہ ۲۱؛ ص ۸۷-۱۹۸۰ء؛ ص ۳۷-۵۲

اسلام میں سوشل فکرم کی تاریخ پر جامع تحریر جو از صدیقی، محمد نبیٹا شد۔

جلد ۱۲، شماره ۲۱؛ ۱۹۶۷-۶۹؛ ص ۱۰۱-۱۲۸

اسلامی تاریخی نگاہی کے سائیل اور اٹھ کا طے از صدیقی، محمد نبیٹا منظر۔

جلد ۱۳، شماره ۲۱؛ ۱۹۸۰-۸۶؛ ص ۶۹-۱۰۴

افادات اقبالہ بہا یک نکر از قوری، شبیر احمد خان۔

جلد ۱۸، شماره ۲۱؛ ۱۹۹۳؛ ص ۸۹-۱۱۸

انڈونیشیا میں اسلامیت اور اشتراکیت کی کشمکش از ندوی، احسان احمد۔

جلد ۱۳، شماره ۲۱؛ ۱۹۸۸؛ ص ۳۵-۵۰

ایمان کے سونی شرا کا ایک قدیم تذکرہ از انہری الدین۔

جلد ۱۲، شماره ۲۱؛ ۱۹۹۰-۹۱؛ ص ۱۳۱-۱۵۰

ہندو صوبہ مدی میسوی تک "ہندوی" میں اسلام کی اشاعت از انصار شاہ محمد۔

جلد ۱۳، شماره ۲۱؛ ۱۹۸۰-۸۶؛ ص ۱۰۵-۱۱۶

ترکی کا ایک ملحق مرکز از ایوبی، اکمل۔

جلد ۱۳، شماره ۲۱؛ ۱۹۸۰-۸۶؛ ص ۱۹۴-۲۰۴

ترکی کے عظیم منکر، ضیا، ہوک آلپ از ایوبی، اکمل۔

جلد ۱۳، شماره ۲۱؛ ۱۹۸۰-۸۶؛ ص ۲۳-۳۶

نصرت کیا ہے؟ از چشتی، منوان۔

جلد ۱۳، شماره ۲۱؛ ۱۹۸۸؛ ص ۹۳-۱۰۲

تفسیر اور علوم قرآن میں مولانا عبداللہ فرہی کے امتیازی کارنامے کا ایک نمونہ

از اصلاعی، ضیاء الدین۔

جلد ۱۴، شماره ۲۱؛ ۱۹۹۲؛ ص ۸۴-۱۱۳

تفسیر قرآنہ پاک از جانی، کبیر احمد۔

جلد ۱۴، شماره ۲۱؛ ۱۹۹۲؛ ص ۵۵-۸۶

تفسیر قرآنہ مجید از جانی، کبیر احمد۔

جلد ۱۸، شماره ۲۱؛ ۱۹۹۳؛ ص ۶۴-۸۸

جدید ہندوستان میں عربی و فارسی تعلیم از مرتضیٰ، غلام

جلد ۱۱، شماره ۲۱؛ ۱۹۶۰-۶۱؛ ص ۶۵-۷۳

ہندوئی کی تاریخی میں افضل اسلام کی خدمات از قوری، شبیر احمد خان۔

جلد ۱۵، شماره ۲۱؛ ۱۹۸۹؛ ص ۱-۴۲

چند مشائخ کے بارے میں از قاسی، شریف السلف۔

جلد ۱۵، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۸۹ء؛ صفحہ ۷۱ — ۸۸

مکرم سنائی فروری کی مقبولیت فروا پنے زلفہ میں از احمد، نذیر۔

جلد ۱۲، شمارہ ۱۲۰۱؛ ۱۹۷۶ء — ۷۹ء؛ صفحہ ۱۷ — ۱۰۰

غلبہ استقبالیہ اجلاس ہنرم آلہ انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس۔

از ندوی، محمد عرفان خان۔

جلد ۱۱، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۷۰ء — ۷۵ء؛ صفحہ ۹ — ۲۳

غلبہ صدارت اجلاس ہنرم آلہ انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس از ندوی، سید ابوالمنجلی۔

جلد ۱۱، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۷۰ء — ۷۵ء؛ صفحہ ۳۰ — ۵۳

غلبہ بہار کے محدثین کی عربی دلف و ادب میں خدمات از مسد ابیاری۔

جلد ۱۳، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۸۸ء؛ صفحہ ۷۵ — ۹۲

دینی نصاب تعلیم از احمد، محمد اعظم۔

جلد ۱۵، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۸۹ء؛ صفحہ ۸۹ — ۱۰۶

دینی نظام تعلیم از احمد، نذیر۔

جلد ۱۳، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۸۸ء؛ صفحہ ۱ — ۱۰

دیوانہ خواجہ مسیح الدین امیری از اسلم، محمد۔

جلد ۱۳، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۸۰ء — ۸۷ء؛ صفحہ ۹ — ۲۲

بہار اجلاس ہنرم آلہ انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس از احمد، مقبول سید۔

جلد ۱۱، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۷۰ء — ۷۵ء؛ صفحہ ۳۳ — ۲۹

سر سید و ہذا نظام اور علی گڑھ از فاروقی، ضیاء السلف۔

جلد ۱۷، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۹۲ء؛ صفحہ ۲۳ — ۴۴

سید نعیمی کے علمی ابتادات از جاسمی، کبیر احمد۔

جلد ۱۳، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۸۰ء — ۸۷ء؛ صفحہ ۵۳ — ۶۸

شیخ اومد الدین بلگرامی کی ادبی تخلیقات از خان، حامد علی۔

جلد ۱۳، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۸۰ء — ۸۷ء؛ صفحہ ۱۱۷ — ۱۳۰

عربی سنات۔ عربی شاعر کی مدنی میں از ندوی، محمد باج السلفی۔

جلد ۱۱، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۷۰ء — ۷۵ء؛ صفحہ ۵۵ — ۶۳

ملائے اقبال کے مذہبی انداز از محمد الحق۔

جلد ۱۱، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۷۰ء — ۷۵ء؛ صفحہ ۱۲۳ — ۱۵۲

مقام سید مرتضیٰ حسینی بگلرای از احمد، نثار الدین۔

جلد ۱۳، شماره ۲۰۱؛ ۱۹۸۹ء ۵۱۴ - ۶۲
مقام وحید الزمانی اور اردو میں خدمتِ حدیث — ایک جائزہ
از شبیم یاسین۔

جلد ۱۳، شماره ۲۰۱؛ ۸۶ - ۱۹۸۰ء ۱۵۶ - ۱۶۸
علم فقہ کا تعارف اور معاشرہ کو اس کے ضرورت از برہان الدین سنبھلی صاحب
جلد ۱۸، شماره ۲۰۱؛ ۱۹۹۳ء ص ۴۱ - ۶۵
علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں مکتبہ جامعہ کی خدمات
از اختر الواجه۔

جلد ۱۳، شماره ۲۰۱؛ ۸۶ - ۱۹۸۰ء ص ۱۳۱ - ۱۳۸
علوم اسلامیہ میں طبع بستی کا نقشہ از انجم، غلام یحییٰ۔
جلد ۱۳، شماره ۲۰۱؛ ۸۶ - ۱۹۸۰ء ص ۱۳۹ - ۱۵۹
ملی شریعتی از عابدی، سید امیر صف۔

جلد ۱۶، شماره ۲۰۱؛ ۹۱ - ۱۹۹۰ء ص ۴۳ - ۵۷
عہد نبوی میں طب اور دوا کا مطالعہ از نثار المظہر، سید۔
جلد ۱۵، شماره ۲۰۱؛ ۱۹۸۹ء ص ۴۲ - ۷۰
فرہنگ مجتہدی از احمد، نذیر۔

جلد ۱۵، شماره ۲۰۱؛ ۱۹۸۹ء ص ۱۷۵ - ۱۹۰
فرہنگ وفائی اور اس کے قدیم ترین مخطوط از احمد، نذیر۔
جلد ۱۳، شماره ۲۰۱؛ ۸۶ - ۱۹۸۰ء ص ۱ - ۸

فلاحی قبیلہ کا تحقیقی مطالعہ از ندوی، افتخار احمد۔
جلد ۱۷، شماره ۲۰۱؛ ۱۹۹۲ء ص ۴۴ - ۵۴
فیوضہ قصوف اور قبلیات خواجہ امیری از قدوائی، محمد سالم۔

جلد ۱۶، شماره ۲۰۱؛ ۹۱ - ۱۹۹۰ء ص ۱۲۵ - ۱۴۰
قسطیات مدنی کی ایک اہم تالیف: نثر الامینیو از احمد، تہذیب۔
جلد ۱۸، شماره ۲۰۱؛ ۱۹۹۳ء ص ۱ - ۴۰

فتوح کی دعائیں علی شہنشاہات: شیخ علی اسرار اور رسم علی فتویٰ
از علی، مسعود احمد کاکڑ۔
جلد ۱۸، شماره ۲۰۱؛ ۱۹۹۳ء ص ۵۶ - ۷۶

تب خاندان محمد بن محمد طهات العلوی، مسودہ اور کتبہ

جلد ۳، شمارہ ۲۴۱؛ ۱۹۸۰-۸۱ء؛ ص ۲۵-۳۸
نصرہ دوا اہل اسلام، مرقع مقرر علیہ اسلام، از انصاری، محمد اقبال۔

جلد ۱۱، شمارہ ۱۲۱؛ ۱۹۷۰-۷۱ء؛ ص ۵-۸
مشائخ ہشت اور شیخ ابو سعید ابو الخیر
از قاسمی، شریف الشرف۔

جلد ۱۲، شمارہ ۲۰۱؛ ۱۹۹۰-۹۱ء؛ ص ۱۱۳-۱۲۲
القریزی کی ایک نادر فیر مکتوبہ تصنیف
از احمد، مختار الدین۔

جلد ۱۴، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۹۲ء؛ ص ۱-۲۳
ملکت فرانسیس و دراسات اسلامی اور ہندی مسلمان
از احمد علی۔

جلد ۱۳، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۷۹-۷۹ء؛ ص ۱۵۳-۱۶۶
مونس الامرار: کلاقی اصنافی
از احمد، نذیر۔

جلد ۱۴، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۹۲ء؛ ص ۱۲۹-۱۳۳
بیر محمد صالح مغلبن اور ان کی تصنیف مناقب مرتضوی
از احمد، نذیر۔

جلد ۱۶، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۹۰-۹۱ء؛ ص ۱-۳۲
میرزا نور سونہ زادہ
از چاکس، بکیر احمد۔

جلد ۱۵، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۸۹ء؛ ص ۱۳۱-۱۴۶
ہجرت کی سیاسی اور تاریخی اہمیت
از احمد، محمد اخلاق۔

جلد ۱۲، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۷۹-۷۹ء؛ ص ۱۳۹-۱۵۲
ہندوستان میں مسلم تفسیر از محمد علی، محمد سالم۔

جلد ۱۱، شمارہ ۲۱؛ ۱۹۷۰-۷۱ء؛ ص ۹۶-۱۰۲
ہندوستان میں اسلامی کارروائی، از شیروانی، راجن، شیروانی۔ جلد ۳، شمارہ ۱؛

فہرست باب تبصرہ و تنقید مطبوعات جدیدہ

افکار خیاالہ تالیف غلام بھین انجم۔
از اکملہ ایوبی۔

جلد ۱۶، شمارہ ۱، ۱۲۰؛ ۹۱-۱۱۹۹۰؛ ص ۱۹۱-۱۹۲
تصوف تالیف عبید اللہ فراہی۔
از نضر الاسلام۔

جلد ۱۳، شمارہ ۱، ۱۲۰؛ ۸۶-۱۱۹۸۰؛ ص ۲۱۹-۲۲۲
مفہم مسالوہ اور تمدنی مقایسہ تالیف محمد تقی عثمانی۔
از محمد سالم قدوسی۔

جلد ۱۳، شمارہ ۱، ۱۲۰؛ ۶۹-۱۱۹۶۶؛ ص ۲۰۵-۲۱۲
خواہش بنو ہاشم تالیف غلام الدین مغربی۔
از انتقام بنو مرثد۔

جلد ۱۳، شمارہ ۱، ۱۲۰؛ ۸۶-۱۱۹۸۰؛ ص ۲۳۵-۲۳۹
علوم و فنون مہد عباسیہ تالیف محمد رضوان ملوی۔
از انتقام بنو مرثد۔

جلد ۱۵، شمارہ ۱، ۱۲۰؛ ۸۹-۱۱۹۸۹؛ ص ۲۰۰-۲۰۶
مہد عباسی کے چند اکرار علم و فن تالیف توقیر عالم نزاری۔
از محمد سالم قدوسی۔

جلد ۱۸، شمارہ ۱، ۱۲۰؛ ۹۲-۱۱۹۹۲؛ ص ۱۳۳-۱۳۹
مصری مورخین تالیف غلام یحییٰ انجم۔
از اکملہ ایوبی۔

جلد ۱۳، شمارہ ۱، ۱۲۰؛ ۸۸-۱۱۹۸۸؛ ص ۱۰۰-۱۱۰

فہرست معلومات و مراسلات

۱۱۰ اشیا اسبک اسٹریز کافر سو کا اجلاس ہشتم۔

از اکملہ ایوبی۔

جلد ۱۳، شمارہ ۱، ۱۲۰؛ ۶۹-۱۱۹۶۶؛ ص ۱۶۹-۱۷۴

اسلامی سائنسہ کی تاریخ کی تفکیک جدید۔

از شبیر احمد ندوی۔

جلد ۱۳، شماره ۱، ۲، ۱۹۸۰-۸۱ء، ص ۱۴۹-۱۹۶

بیرون ہند میں قیم ہندوستانی فقہاء و محدثین (اکٹویں صدی ہجری تک)۔

از عبداللہ ندوی۔

جلد ۱۴، شماره ۱، ۲، ۱۹۶۶ء، ص ۱۱۵-۱۳۸

ترکی زبان و ترکی رسم الخط۔

از اکمل الیولی۔

جلد ۱۳، شماره ۱، ۲، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۳-۱۰۶

شہنشاہ بابر اور اردو زبان۔

از اکمل الیولی۔

جلد ۱۸، شماره ۱، ۲، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳۴-۱۳۲

مہد عباسی کی شہرہ آفاق تصنیف: اعجاز القرآن۔ مصنف ابوبکر محمد بن حبیب البخلانی۔

از توقیر عالم غلامی۔

جلد ۱۵، شماره ۱، ۲، ۱۹۸۶ء، ص ۱۹۱-۱۹۹

میر رشک کادوانہ نغمہ ملک۔

از محمد انصار اللہ۔

جلد ۱۶، شماره ۱، ۲، ۱۹۹۰-۹۱ء، ص ۱۵۱-۱۸۰

فہرست اردو مطبوعات

ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

- | | | |
|--|----------------------------|-------------------|
| ۱۔ ہندوستان میں عربی ادب اور علوم اسلامیہ کی تدریس و تحقیق | از پروفیسر عبدالعظیم | قیمت
Rs. 1.00 |
| ۲۔ جدید فارسی شاعری | از پروفیسر شبیر احمد خان | قیمت
Rs. 3.00 |
| ۳۔ ذکر | از پروفیسر اکمل الہی | قیمت
Rs. 7.00 |
| ۴۔ عراق | از پروفیسر محمود الحق | قیمت
Rs. 7.00 |
| ۵۔ عبدالرحمن الکواکبی | از پروفیسر محمود الحق | قیمت
Rs. 25.00 |
| ۶۔ ابنہ افشاریہ | از ڈاکٹر حافظ نظام مصطفیٰ | قیمت
Rs. 24.00 |
| ۷۔ اصول فہرست نگاری | از جناب محمود منیر قیصر | قیمت
Rs. 30.00 |
| ۸۔ جدید تاریخی شعرا | از پروفیسر کبیر احمد جاسمی | قیمت
Rs. 60.00 |
| ۹۔ علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء | از پروفیسر محمد سائید اللہ | قیمت
Rs. 40.00 |
| ۱۰۔ فارسی تصنیف نگاری | از پروفیسر نذیر احمد | قیمت
Rs. 45.00 |
| ۱۱۔ چند ایرانیہ شناسی | از پروفیسر کبیر احمد جاسمی | قیمت
Rs. 80.00 |
| ۱۲۔ آثار و احوال | از پروفیسر محمد سائید اللہ | قیمت
Rs. 80.00 |
| ۱۳۔ ایرانیہ تصنیف | از پروفیسر کبیر احمد جاسمی | قیمت
Rs. 80.00 |

ملنے کا پتہ

Publications Division,
Aligarh Muslim University,
Aligarh, U.P., India

ملنے کا پتہ
PUBLICATIONS DIVISION
Aligarh Muslim University
Aligarh-202002

SOME PUBLICATIONS OF THE INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES, A.M.U., ALIGARH

*Post-Revolution Persian Verse by Munir Rahman	Rs. 30.00
*The United States and the Arab World by M.Shafi Agwan	Rs. 27.00
*Wither North Africa by Nicola A. Ziadah	Rs. 15.00
*Arab Geography by S. Masaffer Ali	Rs. 25.00
*Islamic Sciences by Mahmud Hasan Qasbi	Rs. 7.00
*Types of Islamic Thought by Sebti A. Kamali	Rs. 30.00
*The Arab League by M. Iqbal Ansari	Rs. 30.00
*A Verified Treatise on Mysticism of Zahir-ud-Din Muhammad Babur or the Risale-i Walidhiye Terjumesi by N. Akmal Ayyubi	Rs. 10.00
*Muhammad 'Abduh by Mahmudul Haq	Rs. 30.00
*Religion by Ahmad Ashfaq and Ahmad Saeed Khan	Rs. 15.00
*Al-Mas'udi Millenary Celebration Volume by S. Maqbul Ahmed and A. Rahman	Rs. 30.00
*Arab Geographical Thought by S.M. Ali	Rs. 35.00
*Life and Works of Ziya Gokalp by Syed Sibtay Hasan	Rs. 30.00
*Life and Thoughts of Muhammad Abd al-Wahhab by Sayyid Ahsan	Rs. 40.00
*Some Aspects of Islamic-Turkish Culture by N. Akmal Ayyubi	Rs. 35.00

Can be had from :

**PUBLICATIONS DIVISION
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH - 202 002.**

مثنوی ناپسید و اختر

پرویز میر کبیر احمد هاشمی

سلاطین تیموریه هند با وجودیکه بیشتر اوقات خود را به جهانبگویی و جهاننداری صرف کردند اما در زمین علوم و فرهنگ نیز خدمات شایانی انجام داده اند. اگر چه ما بر و پاهای زندگانی خود را نذر جنگ و جدل کردند و در تسخیر کشورها و فتح دشمنان مشغول بودند ولی با وجود این جنگ و جدل آنان از فرهنگ پروری و علم نوازی غافل نبودند و در شاهنشاهی اکبر از هر حیث دوره پیشرفت و استواری بود. درین دوره در علوم و فنون ترقی عظیمی داد. نه فقط شاهنشاه اکبر بلکه پادشاهان او مثل ابوالفضل بختیار حکیم ابوالفتح میلانی و امثال آنان فرهنگ دوست و معارف پرور بودند بدین سبب درین دوره در هند هر علوم و فنون ترقی بسیار کرد. در آن زمان وضع کشور ایران چنین شده بود که شعرا و نویسندگان و صاحبان علم فضل گریه گریه می کردند و در برابر بزرگان و پادشاهان پناه و پناه گرفتند. بنا بر عریض این ستارگان علم و ادب و فن و هنر به هند ازینویش شهرت تمام بدست آورد. این پیشرفت ادبی بعد از اتمام دوره اکبر نیز بر جای ماند جهانگیر و شاه جهان هر دو از اسلاف خود پیروی کردند و از فرهنگ پروری و علم نوازی دریغ نداشتند چنان عالم گیر سرگزشت سلطنت مد بعثت دست و دست حدود سلطنت پادشاهانک های گوناگون و بهر گردید. اما گفته اند مانند کباب و ضلع تا با سامان سیاسی دوره عالم گیر پیشرفت ادبی ناکند نماند. اما دوره عالم گیر از لحاظ پیشرفت علوم و ادبیات که در دهر تعلیم شد بهار و پاییز بود. پس از مرگ عالم گیر

بر اثر اختلافات و کشماری که بر سر جانمایی وی پدید آمد پیشرفت علوم و فنون طرایف خود در ریه
دوره پیشرفت ادب و طایف از دربار و بزرگواران و بهر حال در دوره محمد شاه آمد و مناسبات سیاسی از بد
بهتر شد و کارهای ادبی و علمی ازین صورت بسیار متاثر شدند. زبان درباری و ادبی و علمی و فنی
بود. درین دوره مانند دوره بای قدیم نیز اکثری از شاه زادگان و امرا و خواص هند و گمانی خود را
برای خدمت گداری ادبیات و علوم و فنون کردند. شاهزاده اختر برادر کبیر محمد شاه هند و نشر ادب
فوجک بغیر از شاه زادگان دیگر توجه نمود. این شاهزاده شاعری خوش گو بود اما آثارش به دست نیامده.
فقط دو مثنوی او یعنی مثنوی ناهید و اختر و مثنوی نیرنگ مشق محفوظ مانده است.

در سال ۱۹۲۴ میلادی یکی از دوستان من مجموعه ای فنی بمن داد که شامل او دو مثنوی از
شاهزاده اختر بود. بنده ازین دو منظوم فقط مثنوی ناهید و اختر را نقل نمودم. بعد از آن کتابهای
تاریخی را مطالعه نمودم و کسی کردم که وقایع زندگانی او را پیدا کنم ولی متأسفانه در هیچ کتاب تاریخی
مطلب مفیدی به دست نیامد. بعد ازین به ورق گردانی نکردم و صابر و اختم مبادا از شرح حال این
شاهزاده آگاهی بیابم. ناگفته نماند که فقط در دو جا نام این شاهزاده شاعر بدین شرح نوشته
شده است:

اختر یکی از اعیان اورنگ زیب عالمگیر است او شاهزاده ای که شاعر بود و
منظومهای چند دارد و در بیت ذیل از یکی منظومهای او است:

بود تکی ز مال عشق گفتار کم اختر ز مال خویش انهار
که چون این سلطنت گاه بهازی برآمد شاه عالمگیر غازی

«اختر» تخلص شاهزاده اختر مراد برادر کبیر روشن اختر محمد شاه پادشاه اخلاف

فجته اختر جهان شاه این محمد معظم بهادر شاه خلف ارشد اورنگ زیب عالمگیر است
سلطان بخش راموزنی وزیر خوشتر معارج در شانش در تعمیر جهان جهانگیر ارشد غزل
رباعی وی بهم نرسیده لهذا چند بیت از مشنوش ثبت گردید:
بود تانکه ز حال عشق گفتار جهان گردید چون گلزار ابله خاند

از اقتباسات فوق پنج آگاهی در باره زندگانی و نام این شاهزاده شاعر یافته می شود. اتفاقاً
روزی کتاب "میرت نادر" نوشته محمد قاسم میرت دهری که بکوشش دکتر ظهور احمد از پاکستان بهاب و
نشر شده است زیر بررسی این بنده بود چون بر تعلیقات دکتر ظهور احمد نظر انداختم جس کردم کلید بود
بهستم اخلاص. درین تعلیقات ذکر شاهزاده اختر درج است. بنا بر گفته دکتر ظهور احمد نام این شاهزاده
شاعر مبارک اختر و لقب "اچھے میل" بوده. در آن سوز و غلی که در آن مشنوی ناپید و اختر نقل شده
است این لقب یعنی "اچھے میال" ثبت است. بدین طوری توان گفت که مشنوی زیر نظر از آثار
شاهزاده مبارک اختر و لقب به اچھے میل و متمسک به افترات و این افتر فیروز برادر کوچکتر شاه
پادشاه هند کسی دیگر نیست.

این مشنوی به چندین جهت شایسته توجه خاص است. اول این که با مطالعه این مشنوی
چیزی درباره این شاعری توان گفت. دوم اینکه این مشنوی ازین حیث نیز دارای اهمیت خاصی است
که بلکه آن می توانیم درباره فرهنگ و تمدن و آداب و طرز زندگانی و امراض و معالجه و توبهات کن
دوره هند محسوس بزنیم و تمیز بگیریم که در آن زمان نه فقط عموم مردم هند بلکه خواص هم مدح و مبالغه
نویس می نمودند. این منظومه از حیث دیگر هم امتیاز دارد. اختر محبوب خود را بر مکتب بیشتر شاعران
نظیر غلامی به لباس یک زن با وفا و مملو از جذبات محبت جلوه گر می کند. زنی که از او در این منظومه

ذکر شده زن افسانهای بیست بلکه زن افسانه‌ای بیست و هشت کی است و همراه پسران و پادشاهان خود را
نظری می‌کنند او هم مدد دل را می‌کند و مانند سایر شاهان بی خبر و بی قرار می‌شود. در آن
دوره که این منگوقدوس نوشته شد شاعران هند زنان را زنان افسانوی ساخته بودند و آنها را
بی وفادار و بی وفای می‌دانستند. شاهزاده اختر برعکس اکثر شاعران آن دوره زن را نه فقط با وفادار
مهر و مروتی گوید بلکه در منگوقدوس خود زن را سمبول زن و تابناک جلوه گرمی سازد. ناگفته نماند
که این ششوی دستان دوره‌ای نظم شده است که دوره‌ای شیخ کلیم باشد ولی شاه جهان آبادی
(۱۶۵۰ - ۱۷۰۹)، شاه ولی الله (۱۷۸۲ - ۱۷۹۲) میرزا مظفر جان جاناتان (۱۷۰۲ - ۱۷۸۲) و
خواج میر درد (۱۷۸۵ - ۱۷۸۵) نامیده می‌شود.

شاهزاده اختر آن وقایع تاریخی را که بعد از مرگ عالمگیر تا پادشاهی محمد شاه رونمود در
بیت و یک بیت نظم کرده است. اگرچه این ابیات تمام وقایع تاریخی را احاطه نمی‌کند و نه شرح
می‌دهد فقط به این سبب درج می‌شود که بدانیم یک شاهزاده احوال نیاکان خویش را به چه
نگاه می‌بیند:

که چرخه این سلطنت گاه بهمانی	برآمد شاه عالمگیر فازی
بهانۀ تلخ شکر بر قند کوتاه	کشش اخلاص و اولاد آن شاه
تخت سلطنت شاه معلّم	به دولت مستند را گشت چرخه تم
چو او هم رفت فلان وقت بخت	برای جنگ اولادش کمر بست
سوزانۀ آتش که گشت منصور	شد او هم به حاجت زینۀ کلاه سحر
نهیادش و فرخ بر سر شد	بلا تیر قضا او هم سپهر شد
بمهر و مهر و مهر و مهر	محمد شاه شاه و کمران گشت
ز دل نغمه ملک سادات	به دل به دلش از این گشت

همه آمدی عهد شد از ماه	که در طوافه باشد شش ماه
دوم باشد زلف شد بر سر کار	بنوع و لشکر بیحد و بسیار
ز بس بر شاه ضبط غریبش میزاند	جهانی در سینه حکم کینش افشاند
نکی از بند گانه راست کردار	ز خیر قهر و عرشش کرد سمار
ازین صورت دل شمشاد گردید	ز ضبط بند گانه آزاد گردید
وز انباشد سوی دلی روان	که سازد بند و بست خسروانه
چو عبدا شد و افت گشت لایزال	شناهانی سوی دلی رفت ناهار
سپاهی حق کرد و گنج پرداخت	برای جنگ شاهنشاه بر فسات
ز شهر آمد برون چهل چند منزل	ز بختی بوالی شد مقابل
ز مد هر چند بیرون برد پیکار	بدست موج شد گردنار
مقرر شد شاهنشاه جوان بخت	بدلی آمد و نشست برکت
همه اسکان و ایمان خلافت	بهائی یافتند از دست آفت

در ابیات فوق شاهزاده افترسی نموده است که وقایع تاریخی بمنزله سار را نظم کند. وقوعات
سیزده ساله ذکر شده تفصیل طلب بوده ولی چون سعی شاعر این نه بوده که وقوعات تدبیری و سیاسی
را نظم کند بدین سبب فقط بر اشارات اکتفا کرده است اما چون برای ما بدین وقایع دیگر نئی اوضاع
آن زمان که شاهزاده افتر در اشار خود به آن اشاره کرده بدون هیچ منضم و شروع مکن نیست
لازم است مختصری درباره آن وقایع تاریخی ذکر کنیم تا درک مفهوم شاعر برای ما آسانتر شود.

شخصیت برجسته و پیر عزم عالم گیر سده زوال سلطنت منول پند گردید. اما بعضی این که
او در ۳ مارس ۱۸۰۷ در پاریس از جهان بربست جنگ مهال شدید برای حصول حق و تابعیت
فرانسه او را در گرفت. درین کشاکش مهاظم فرزند ارشدش را لیکر کامیاب و کامرون گشت و

بر وجهی که در خلاص کرد و ۳۰ فوریه ۱۱۷۱ یعنی تا مدتی که خود پادشاه هندوستان بود
 بعد از فوت شریف محمد مسلم بهادر و دیگر برای تاج وقت کشته شد و این کشته شد تقریباً در ماه
 امارت تاج در ۲۹ مارس ۱۱۷۲، جهاندار شاه (محمد سزالدین بن محمد مسلم بن
 عالم گیر) موفق گردید و بر او تاج شاهی نشست هنوز پادشاهی او را فقط یازده
 ماه گذشته که فرزند بلدرشاه فرخ سیر بن غلام الشافعی باقی شد و در ۱۰ اکتوبر ۱۱۷۳
 بنور بهادر تاج شاهی تصوف نمود. بعد از یک ماه در ۱۱ فوریه ۱۱۷۳، جهاندار شاه
 به زمان فرخ سیر تاج گردید تا پنج وقت او یا فرزندان او برای گرفتن تخت شاهی سی و
 هفت نفر نایند. گفته اند که برادران سید (حسن علی خان آغاب الملک سید عبداللہ خان)
 حسین علی خان، امیر الامراء، برای شاهنشاهی فرخ سیر از همه بیشتر ساعی بودند و از
 یکجا که حمایت در پی داشتند. بنا بر این بعد از تخت نشینی فرخ سیر کارشان بالا
 گرفت و آنان بر روی تخت امور سلطنت غالب آمدند. اعتبار این هر دو برادران یکی
 رسید که در ۱۸ فوریه ۱۱۷۹، سید عبداللہ خان (قطب الملک حسن علی خان) فرخ سیر
 را دستگیر کرد و بر جایش رنج الدعات را بر تخت شاهی نشاند ولی او را تا مدتی در
 مراقبت و حراست شدید خود نگه داشت که محنتش روز بروز دگرگون شد چون رنج الدعات
 حس کرد که وقت مرگ او بر سرش آمده از سید عبداللہ خان التماس نمود «بمانده» و
 گردن بلدر خود را بر رنج الدوله از تخت و تاج دست بردارم. چون صحبت او
 رو به وفات گزارد و بود برادران سید التماس او را پذیرفتند بدین طور در
 ۶ ذی قعد ۱۱۷۹، سلطان پادشاهی رنج الدوله کرده شد ولی او بتاریخ ۱۸ سپتامبر
 ۱۱۸۰ بمصر از جهان بخت و کسی نبود که بر تخت سلطنت جلوس کند پس نظر اعیان
 بر شاهزاده رنج الدوله افتاد و بعد از

ده روز مرگ رنج الدول بتاریخ ۲۰ شهریور ۱۱۶۹ او را سرکرای قتل و تاج شاهی کردند.

قبل ازینکه که باریکی آن کوکب عدله ابتدائی محمد شاه کنیم که شاهزاده آخر بر آن خلافت کند است. بهتری داریم که بر شخصیت ایام شاهزادگان محمد شاه ذکر نموی کنیم تا بهیچیک که آن خاندان شاهی او بر ما آسان گردد.

نام اصل محمد شاه، روشن اختر بوده او یکی از فرزندان محمد اختر (محمد شاه) بن محمد منظم بن اورنگ زیب عالمگیر شاه بود. - بتاریخ ۱۲ اوت سال ۱۱۷۰۲ در غریب بزم بهمان کشور - آن وقت که بر اورنگ شاهی نشست سنش عیبه سال بود. قبل از آنکه لشیرین پهلوان در عهد در آنکس شاهی نذاری می کرد. آن وقت که رنج الدوله چهارم جهان پرست و اورنگ سلطنتی شاه شد به سلطان سید در قای بنام پدیا پور نزد پور سیکری غیر زن بودند. آن زمان از غیر مرگ رنج الدوله آگاه شدند دسته سلطان اسپ سوی دلی فرستادند تا اسپ سلطان شاهزاده محمد اختر (محمد شاه) را به خود نزد پهلوان سید بیاورند. آن وقت که اسپ سلطان رسیدند روشن اختر و پهلوان همراه مادر خود قد سید بگیم بود. چون قد سید بگیم از راه برادرانه سید آگاه شد بهیچ خاطر فرزند خود را جدا داد که همراه اسپ سلطان سوی برادران سید برود. - بتاریخ ۲۴ سپتامبر سال ۱۱۶۹ شاهزاده روشن اختر در جلو اسپ سلطان به پدیا پور رسید. بعد از رسیدن او به برادران سید سلطنت شاهزاده را کردند. پس از آنکه شاهزاده شاهی او اعزاء دولت نذر کردن و آفاذ کردند و شاهزاده روشن اختر بنام امانت محمد شاه غازی سر بر آرای اورنگ شاهی شد.

تا به هم دوره ابتدائی محمد شاه زوال قوت برادران سید است که در آن شاهزاده به ملک اختر داشتند خدا شاهه مجمل بلکه بهم که است بهین سبب در سلطه ذیل کوکب این و آن و آنرا که می شروع در بر این می کنیم.

محمد شاه بر اورنگ شاهی نشست هر چه در حق پهلوان و غیره

نظر مایل شده و امرای اهلانی و قزاقان دهبار دست بگیر یافته بهم پیوسته سی و هشتند که فرقی مناعت خود را زیر پا نهد کنند. همین که مرکز سلطنت ضعیف شد - امرای اکثر قزاقان در صدد آن برآمدند که خود را از سلطه مرکز آزاد سازند طبع دولت مستقل خود را بنا کنند. در دودنه ابدالی محمد شاه اگر چه در مساجد خلیفه را بنام لوی خوانند و بر سر که اسم لوی کنده می شد ولی اقتدار و قوت در دست بلوچان سید بوده و شاه مثل عروسک بر اشارات آنان بازی میکرد. بیجا خواهد بود چنانچه گویم پادشاه مقام پیش از یکصدنانی محترم نباشد. تا همان محمد شاه مضوی از خاندان تیموریه بود می توانست که این صحبت حاصل را تحمل بکند. و قاجار نیز به او کمک کردند. او بزودی توانست از سلطه برادران سید نجات یابد. تفصیل این اجمال بدین طور است.

تاریخ ۱۱ اکتبر سال ۱۷۱۹ ق. سید بیگم مادر محمد شاه در لشکر شاهی نزول ابلال فرمود. آن وقت لشکر شاهی نزدیک پور سیکری خیمه زن بود. بعد از ورود قدسیه بیگم آن عده از امرای که مخالف بلوچان سید بودند پیش قدسیه بیگم از وضع ناچیز امور سلطنت فریاد و از چهره کشتی برادران سید تمیج شدن خزان شاهی آگاه کردند. این دسته امرادر پرده آغازه گرفتار می کردند. در آن زمانه ایمانیه دولت دو دسته شده بودند. دسته اول عبارت بود از ایمان ایرانی که سر براه شان بلوچان سید بودند و دسته دوم مشتمل بود بر منصب داران تورانی که سر کرده آنان اعتماد الدوله نصرت جنگ محمد امین خان بوده. چون قدسیه بیگم از این احوال آگاه شد با محمد امین خان مشورت آغاز کرد که چه گوزمی توان برادران سید را ضعیف ساخته از کرسی اقتدار پائین آورد تا دولت مستحکم و پایدار شود و عظمت گذشته تیموریان هند باز گردد. نظر به این که همه منصب داران تورانی مخالف بلوچان سید بودند اعتمادگی خود را از این که بلوچان سید را از امور سلطنت محروم نماید بکنند اعلام داشتند. ناگفته نماند که محمد امین خان هنگام عزل و نصب خراج سیرت قدیم رایح من علی خان پسر محمد بیگ را که ملک مجا

نوعاده است و برادران سید برکنار و سلطنت علی از قبل علوی مستحکم شده اند. هر یکی سبب دین است
 برادران سید شده بود و برادر کید و غمی که در دل داشت قتل کرد بیک قدسیه بیگم هر دوازده محمد امین غنا
 با کمک بیهوشی قدسیه بیگم مقام خود را در امور سلطنتی مستحکم کردن آغاز کرد. محمد شاه زبان ترکی بلد بود
 می توانست بر زبان ترکی صحبت بکند لذا وقتی که محمد امین خان یزاست سخن راز داران به محمد شاه گوید
 بر زبان ترکی صحبت میکرد و امیرای ایرانی همچو می توانستند بپند که محمد امین خان به پادشاه چه گفته است
 او اندک اندک دخیل مزاج محمد شاه شد و سپس محمد شاه و ملوک را تفریق کرد که از نظام الملک را باید
 برقرار بکنند تا به اشتراک علی او و نظام الملک فتنه برادران سید فرو نشاند. محمد شاه و قدسیه بیگم هر دو
 به این پیش نهاد موافقت کردند و مراسلت و مکاتبت پنهان با نظام الملک آغاز گردید.

محمد شاه و مادرش قدسیه بیگم محمد امین خان را به این وسوسه انداختند که برادران سید در
 نظر قصد جان او هستند و لذا برای لازم است بیک محمد شاه پیر دوازده برادران سید را نابود کند.
 آن وقت نظام الملک عازم سفر مالوه بود و رودخانه زربار امپور کرده به آن سوی رود رسیده بود.
 ازین که نظام الملک بعد از رسیدن به مالوه چه تدبیر حاکم در قوف نظری کنیم ولی اشانه بدین علم لازم
 است که قدرت نظام الملک بنا به تنظیم نوارش به اوج رسیده و حسین علی خان (امیر الامرا)
 از قدرت او و سنت متوش شده بود. او عقیده داشت که نظام الملک برای نابود ساختن برادران سید
 از هر گونه سعه ابا نخواهد داشت.

در آن هنگام واقعه ای رونمود که هر دو فرقی را بر ضد یک دیگر قد علم ساخت و دل هر دو را

از کینت و کینه پدید کرد. در مالوه غمی بنام دلاور علی خان بهجت بخشی حسین علی خان امیر الامرا را گردانید.

به قولی بیستم نظام الملک علی پاشا قلی الدین خان قونچک مادرش دختر سردار عثمانی و دین بیگم
 بعد نظام الملک بیستم مرگ عالمگیر استعمار بپایه بود. در دعه خشم شاه استعمار دین بیگم
 بیسته شد. محمد شاه برادر بیک سلطنت نشست او را استاندلی مالوه قونچک کرد. و با فتنه
 نجات مرگ کرد. (۳۶ - ۳۷)

چهارمین و سلاطین استانی ماله بهاد سپرده شده بود. در آن زمان دلاور علی خان سرعت علی خیل بود
مانند ما از منصب فوجداری معزول کرد و نظام الملک سی فو که در محضت خان بر منصب فوجداری که پیش
فرماندهای این سی نظام الملک را ملل خند پنداشت. بعد از این حسین علی خانی بر آن شد که انصراف
استان ماله بدست خود گیرد. او نظام الملک را فرمان داد که از استانتاری استانی ماله استغنی
کند و استانتاری استانی دیگر را بپذیرد. نظام الملک فرمان او را نپذیرفت. چون حسین علی
خان امیرالامرا این تاخرانی را دید فرمان دیگر به نام نظام الملک فرستاد که ماله را اختلا و به دربارشاهی
حاضر بشود. حسین علی خان فرمان دیگر برای دلاور علی خان و برادرزاده خود عالم علی خان که در دکن
تائب او بود مالدور به دلاور علی خان دستور داد از جانب جنوب پیش رفت کرده رودخانه چنبل را
عبور کند. از طرف دیگر عالم علی خان را فرمان داد که بجانب شمال حرکت و رودخانه نریدا را عبور کرد
و از اسلخت نظام الملک را به همراهی دلاور علی خان از دوطرف محاصره کنند. چون نظام الملک دید
که او در بین دو دشمن اسیر شده است مجلس مشاوت برپا کرد و از دوستان خود خواست که
در این حال چه باید کرد. در آن هنگام که کشاکش و کشاکش حسین علی خان و نظام الملک بفرقه دوزخ
رسیده بود نظام الملک تهمیدی پنهان محمد شاه دریافت کرد. بعد از رسیدن این نامه شاهنشاد
نظام الملک رحلت تو گرفت و از قبل کردن فرمان حسین علی خان انکار کرد و یافی شد و بین هر دو فرقی
جنگ شدیه برپا گردید. ما از تخیل این جنگ صرف نظری کنیم. قصه کوتاه این که در این جنگ
دلاور علی خان بخشی امیرالامرا حسین علی خان کشته شد و نظام الملک پیروز گردید.

این واقعه برای برادران سید عاقلای عینی بود. آنان حس کردند که احتمال شدن مترادف
شده است و آن وقت حد نیست که اقتدار سلطنتی را دست آنها برود. بدین سبب حسین علی خان
فرمان این مالدور را معزول کرد. در آن فرمان استانتاری استانی دکن به نظام الملک
توقیفین کرده شده بود. نظام الملک مودی بسیار مدتی به دلاور علی خان و فرزندش غیر مترادف

پنداشت و تاحدی که ممکن بود تشبیر این فرزند کرد، حسین ملی خان از این وقایع بکلی بیخبر و غیبی نماند که اگر نظام الملک از این نزاع آندار باقی نخواهد ماند. بدین سبب التعمیم گرفت که به هر نوع این فتنه از سر بر نگیرد. تا آن هنگام محمد شاه چون دهلک بر اشارات برادران سید حرکت کرده بود در ماه سپتامبر سال ۱۷۴۰ حسین ملی خان امیر الامرا، محمد شاه پادشاه هند را همراه خود گرفت و وطن را فریاد گفت و عازم ماله شد تا نظام الملک را بگیرد که در رساندن حسین ملی خان آن راه را انتخاب کرد که از طرف شهر امیر بود. سبب انتخاب این راه آن بود که حسین ملی خان می خواست با راجه ایت سنگ مشورت کند که چه گونه دشمن را زیر دست و مغلوب کند. لشکر شاهی در دهه آگره به فاصله ده کوه به وطنی بنام کولی رسیده بود که قلب الملک حسن ملی خان معروف به سید صید اشرفان برادر حسین ملی خان بازگشت به وطنی را اعلان کرد و همراه سپاه خود به سوی وطنی برگشت. حسین ملی خان امیر الامرا که همراه محمد شاه بود از جای خود حرکت نکرد. تا تاریخ ۸ اکتبر ۱۷۴۰ و فتنه که حسین ملی خان به نام نظام الملک محمد شاه به سوی خیمه خودی رفت در راه میر حیدر بیگ ملاقی شد و محضر نامرایی که مشتمل بر پنجکایات محمد امین خاں بود به خدمت او رساند. چون حسین ملی خان مشغول خواندن محضر نامرایی شد میر حیدر بیگ با خیمه مرده آورد شد و کوفه طلور بر سرش پیوست. به محبت تمام بر سرش را به برید. میر حیدر بیگ هم باقی نماند و بدست برادر زاده حسین ملی خان که نورالاشرف نام داشت کشته شد. این نفع فقط این جا پایان نیافت. آن وقت یک نفر توراتی آبخار رسید و بر تورات مرده آورد شد و او را هم کشت. بعد از آن سر بریده امیر الامرا حسین ملی خان در خیمه میدرقی خان آورده شد. آنجا محمد امین خان هم موجود بود. او نیز پیش خود بنام یکی از دشمنان خود را بیدار کرد. امیر الامرا حسین ملی خان به این طرز به پایان رسید.

چنانچه که شدند امیر الامرا حسین ملی خان در کشتن خودی زلزلای بزرگی را دیدند و همه

سپاهیان را سر محمد برکت نهاده برای انشام از غیر حای خود چون آمدند و بر غیر شاهی ملحق شدند. آنجا حسین ملی شاه پادشاه هند را امیر کردند. محمد شاه بنام کریم خان

حسن ملی خان پادشاه محمد شاه را مت یافت ولی خطر آغاز شاهنشاهی خود کرد و بلی

در آن ایات شاهزاده اختر که قبلاً نقل شده است بمسئ از وقایع تاریخی این دوره بیک
شاه نه شده است. مثلاً بعد از معزول و کشته شدن فرخ سیر اولار بیچ الد رحلت بعد از آن بیچ الد
برای مدت قلیل شاهنشاه بنده نامیده شده بودند ولی شاهزاده اختر ذکر این هر ده پادشاه در ایات خود
نکرده است. بدین طور او اسم عبداللہ خان (حسن ملی خان) را نبرده است ولی از اسم حسین ملی خان
خود در کتب کده برای او کلاً "دگر" آورده است. هم چنان که در سطور گذشته ذکر شده است میر محمد بیگ
امیر اللہ حسین ملی خان را اولاً خبر زده بعد از آن به محبت تمام سرش را قلم کرده بود. تقاضای جان
تاری میر محمد بیگ این بوده که ذکرش بنام او ثبت گردد. ولی شاهزاده اختر بی انصافی کرده و بخت
خود تاش ز برده و او را فقط "یکی از بنده گان" گفته است. در همان تاری میر محمد بیگ
دست از جهان خود شست و برای محمد شاه کلانامه ای می انعام داد ولی شاهزاده اختر بلی که
محمد شاه از این حقیقت روشن چشم پوشی کرده است و مطلقاً اسم او در هیچ بیت نبرده است. ممکنه
است این کوتاهی که ذکر شد فعلی این سبب بوده باشد که مقصود شاهزاده اختر از این شئری نوشتن
تاریخ محمدشاهی نه بود بلکه مقصودش این بود که داستان مشی خود را در حدی نظم بیان کند.

در این شئری شاهزاده اختر درباره زندگانی خود هم چند بیت نوشته است از آنجا که این
بیت متعکس کننده شخصیت او می باشد بدین سبب در این جا نقل می کنیم.

بیرقن چارده بودم در آن حاله	ز شش بقدر زنده فارغ البالہ
زهر من همه اسباب ثروت	همینا ساخت آن مجشید مکنات
مراود خانه خود عمره داد	که باشم پیش چشمش خرم و شاد

برای تفصیل این همه وقایع رجوع کنید بکتاب انگلیسی پرده خورشید و بکتاب که تمام محمد شاه
زندگانی و تاریخش است.

بیست و نه ماه و بیست و یک روز
 به هر روزی که آمد آرزویم
 که من دیدم از آن کان نفوت
 چه یوسف هست او عین تلفت
 هزاران نعمت های دنیا
 بهت ساختند سیر و تماشا

در این بابیات ذکر آن درج شده است که محمد شاه بعد از کشته شدن برادران سید از
 آنان نجات یافته بود - بقول خود شاهزاده اختر در آن آفات او چه ده سال بود یعنی از محمد شاه
 نقره تا شش سال فرد تر بود - بیشتر مملکت هند چون به پادشاهی میر رسیدند همه بلاد آن خود را
 به تهنیتی کردند تا کسی برای حصول تلح وقت سر نه کشد - این کار بد پیش از عالم گیر هم وجود داشته و
 بعد مردن عالم گیر دین کار شدت خاصی نمود و ولی محمد شاه از خون ناحق شاهزاده اختر خود داری
 کرد - بدین سبب در چهار مونیّت خود شاهزاده اختر نوشته است که شاهان (دوران قدیم) مثل مبلد
 یوسف مبلدند ولی محمد شاه پای بند سنت پوسی بوده - او با برادر کبر خود همان مودت و علاقه داشت
 که حضرت یوسف علیه السلام با برادران فضا کار خود داشتند - به هر حال از بردگی ایلیت نجاتی بر می
 آید که شاهزاده اختر در این شاهی زیر سایه برادر بزرگ خود زندگی را راحت و آسودگی بر می برد.

بعد از کشته شدن برادران سید شاه جهان بزرگ و مائل به نعیش شد در این شاهی
 زنان قبیله های مختلف در آمدند و همه این شاهی مبدل برقص خانه شد شاهزاده اختر در این
 خود را ذکر مکه حاصل این وضع تا چهار سال بعد سلطنت خود داری کرده است ولی دوباره خود ذکر
 کرده است که او در این مشربیات و تنوالت مضبوط و مامول نگذارد - او عاشق یکی از زنان شد که
 نزد شاهان می آمدند و در خوشی او از پیش و عاشق خود دست مشت - چنانچه این او از این حال
 آسایانده ای داری او پیش آمدند - بدین منوال او را مصلحت بود که در میان او

در پیش و عشرت گذشته آغاز شد. این همه و لعلات شمع دانا شاهزاده اختر به تفصیل در ابیات فدا شده است. ما از تفصیل آن خود داری می کنیم.

درین پنجم عشرت و عشرت حادثه ای پدید آمد که موجب نظم شدن این مثنوی شد قبل از این که ماحول تذکر شده را شرح بدهیم اشادات بر این لازم داریم که شاهزاده اختر نوشته است که بلا حدیث گویم
او محمد شاه بر او فیلی مهربان بود او در قصر شاهی نزدیک دروازه زندگانی می کرد اما در این مثنوی جای
که از وصل خود ذکر می کند این بیت نیز از قلمش تراوش می کند:

مرا از وصل او، این قید و زندان بهشتی شد غمتان در گشتن

در ابیاتی که قبل از این بیت در مثنوی آمده، هیچ جا اشاره در باب این امر نیست که محمد شاه را محبوس کرده باشد. عقده لایحل این است که این ذکر "قید و زندان" از کجا و چرا آمده است؟
آن ابیات که در پایان این مثنوی نوشته شده اند هم تصدیق اسیر و زندانی بودن او نمی کنند بلکه از آن ابیات برمی آید که چون محبوس اختر پدید و میل گفت او معماران مشهور را خواست و زیر نگینی خود مقبره سنگین بر مرقدش تعمیر نمود. آیا ممکن است که یک اسیر و زندانی این همه کار را بکند؟
سوال این است که از "این قید و زندان" مراد شاهزاده اختر چیست؟ فعلا ما نمی توانیم که پاسخی به این سوال بدهیم.

قبل از این که در باب این جنبه مثنوی که فکاس اجتماع و میعاد آن دعه است نظر کنیم بهتر
مانندیکه در باب خاصه شری این مثنوی هم چیزی بگوئیم تا ادراک کنیم که از حیث خصایص شعری
این مثنوی چه ارزش و اهمیت دارد. بیشتر مثنوی نگاران زمان فاطمی در صفت امضای بدیعی
محبوبان خود را ابیاتی نوشته اند که اصطلاحاً "سرپا" نامیده شود. مثنوی نگاران مطالبه دارند
که اینها داشته باشند بلکه در لباس تشبیه و استعاره اشعار خود را در قالب نظم آورده اند. درین مثنوی
هم شاهزاده اختر سرپای محبوب خود نگاشته است اما نزدیک این سرپا از همه جالبتر را

از گویندگان دیگر متلا و متناثر می‌کند. اولی این که شاعر زاده اختر در این مثنوی اندامهای مستعد بدنی
 را با جماعت نه نموده و در بیان این اعضا خاموشی را بهتر دانسته است. او در این امر احتیاط را کاملاً
 بهما داشته که حتی که سید محبوب خود را هم وصف نه کرده است. او در بیان سرپای محبوب خود به این
 کلمات اکتفا می‌کند:

کشیدی گرقدم سوری شکسته	رخش محل بود و قد سرو فرامان
به بهت آم اگر خواهش فرو دهم	قلب از چهره خود بر کشودی
بسیر آهوانه چون دل کشیدی	خیال چشم هادویش رسیدی
خیال مشک اگر در دل فتاده	دو زلف عنبرین را بر کشاده
چون لاله پسته و بادام تر بود	دهانه و چشم او اندر نظر بود
اگر می خواستم در سای غلطان	عرق بودی بر آن رفا تلبان
بی شکانه اگر شکسته طلب بود	شکر پرورده آن نوش لب بود
اگر بودی بقرآن خواندم میل	رخش و اشکم بوی زلف و ابل
چو می گشتم ز شوق سبده بی تاب	همایا بوده از ابرویش محراب
عبادت را که و قنقش محرم بود	جبین پاک او چون مکه دم بود

مکن است بگویند که این ذکر سرپای نیست ولی ما به این عقیده می‌باشیم که شاعر شاعر زاده از
 این احساس و خشت می‌گوید که با ذکر حسن اندامهای محبوب خود زیبایی او را در چشم انبیا مضم سازد و
 لذا همه لطیف بر آن انداخته شده است.

همچونیکه بعد از شاعر زاده آخر تنهایی می‌شود و امید زندگانی او در معرض خطری نماید
 مضطرب و ناراحت شدن شاعر زاده امر فوری است. ایاتی که شاعر زاده آخر در بیان اضطراب خود
 می‌نویسد هم دارای اهمیت خاصی است. اما این بافت به نقل کردن آن ابیات اکتفا می‌نمایم که

عکس نفس و لایسین ناپدید، مجید و اختری باشند. در سطح فوق سرازای ناپدید نقل شده است
این جاسرازای دیگر که بالعکس سرازای اول است نقل کرده می شود.

شده آنه بدر رزش نانک لعل	پهان سو کها هم چو نفو خلای
محل رخسار او بی آب گر دید	کشتاخ سنباش بی تاب گدید
تتش از بسکه زار و ناتوان شد	چو ماری در لباس خود نهان شد
حکیم از نبض او دیری بنا کام	سر سبابه می آمد با بهام
ز بس ضعف مزاج ناتوانی	سنن می کرد بر آن لب گرانه
گرفت از نصف شاخ دست طمدار	ز رنگ دسر و نقش حنا بار
ز بس شد ناتوان از پای تاسر	دمافش را گزیدی بوی مهبهر
چنان بیادشش ناتوان شد	که گرد سر مه اش کوه گرن شد
چه گویم حال گوش از ناتوانی	ز نام گو فوارشش شد گرانه
ز بار موی بندشش کوتنا بد	قد خم گشته اش چون مود تا شد
ز بس شاخ نفس شد نازکی ساز	نیارشی نشستن مرغ افکار
شدی چون برگ پانه گردیدن او	بدست دگم ان پهلو به پهلو

می گویند که چنانچه انسان با کسی علاقه شدید و مفراط داشته باشد حس خاصی در او
پدید می آید و می تواند همه کنه آلام و مصائب و بدبختی "دوست" را که خواهد آمد پیش بینی
می کند. بدین کدام علت ظاهری هر وقت در اضطراب و خلش بی نام مبتلای باشد او حس
می کند که چیزی عجیب از پرده غیب پدیدار خواهد شد ولی نداند که چه چیز پیش خواهد آمد.
می توانیم این کیفیت انسانی را که در پیششین قرار بدیم. اما می توانیم آن را به اسمی موسوم کنیم
بهرسان این کیفیت را در یکسان طاری نمی شود. عده هستند که مثل مرده ساکت مانند و

نی دانند که بس چیست، عدله این طور متوحش می شوند که مثل سیل به وقت حرکت می کنند و
 بیک جهات و قرار نمی یابند. آنگاه هم نمی دانند که سبب سرگردانی و توحش آنان چیست؟ شاید علت آن
 هم پیش از مرگ میوه بخورد و چهار این کیفیت انسانی می شود. بقل خود او!

زگر دش های این چمن ستمگر	شبی به غاسم بی پاوی سر
فلک آمد گشتم از دحای	کفی سر باشدش پیدا د پای
نودی دور این نبح پلنگی	چه باشد آبد رخسار زنگی
بر آمد صبح کاذب از سمرگاه	چنان که جان ننگین تسلا آه
گریان چاک دیدم صحرای	شد او چه من مگر غم دیده ام
ز خود پیر این سرفی برداشت	همانا سنت زخمی در جگر داشت
بر آمد مهرم با چهره زرد	چون آن یاری که لایاری شود زرد
غلام غم که با چرخ و چه غور شبید	که افتاد آتشی در کشت امید
ازین دیگ سیه کار بچه آزار	بر آمد کفیه مار شرر بار
علم زد در جو اکیلیت سسم	قلم زد آسانه برو صفت ارقم
ز سر تا پای عالم گشت دشت	فضای آسانه می ریخت دشت
زهر جانب که می دیدم جهان را	علم می کرد دغشیر و سنان را

بعد از ظاهر شدن این کیفیت بی نام و دل انسان سوالهای مختلف انوع سری کشند و فکر
 می کنند که چرا ازین کیفیت دوچار شده است؟ چرا آن چیز ها که تا دیروز راحت جهان و دل بود امروز
 برای او مصع و نالیده است. اکثر این طرد هم می شود که بعد از دوچار شدن این کیفیت بی نام
 انسان حس می کند که کسی دل او را می نشاند و چنان از تن او می رباید ولی او نمی تواند بفهمد که این
 کیست و چیست. در این هنگام آن توهمات که در میدان رخ با سخند انسان را به تلهای غدشات

می گردانند مثلاً اگر دغذای بهادی باشد و کج خلق آن خان نشین خود را ترک کرده جای دیگر
 نفیس کند تپا در ملک دین و سوسه مبتلای شوند که بهار از مرض خود جابر نخواهد شد صفت پدر و
 گفتن این جهان نزدیک آمده است. سبب این و سوسه این است که در تحت شعور انسان این
 خیال ثبت است که اگر دغذای کسی به مرگ نزدیک باشد کج خلق این واقعه را از پیش حس کرده
 از آن خانه برای شب خوابی جای دیگری روند. معلوم می شود که در صدها پیچیدگی در پند این توهمات
 شکل دیگری داشت. آنها را عقیده بر این بود که چنانچه کسی دغذای بد دم مرگ برسد زهر لای
 زرد (در پند بصری گویند) خانه خود را ترک و از آن خانه بیرون آید و جای دیگر خانه نو می سازند.
 دیگر این که چنانچه فیلی مست و غضب ناک خاک بر سر افکند این امر پیش گوئی حادثه سنگین پنداشته
 می شد آن کیفیات انسانی که قبلاً ذکر شد و چیزی که درباره پندمان و حیوانات بیان گردید امده
 اخلاقی غیر شعوری است که پیرونده تحت الشعرا اجتماعی بشری می باشد. این تحت الشعرا اجتماعی اخلاقی
 را بهر شاه راه زندگانی به بیم و رجا مبتلای کند. شاهزاده اخرا این همه کیفیات انسانی را با کمال
 حسن و جاذبیت نظم کرده است. اومی گوید:

هر آید تا بش خورشید خیره	هر آید تا بش خورشید خیره
چرا بشیر کرد آلوده زهر	چرا بشیر کرد آلوده زهر
چرا با دگر زه بر کمان کرد	چرا با دگر زه بر کمان کرد
بر پیشانی چرا ای افکند چینه	بر پیشانی چرا ای افکند چینه
هر آید این قدر تند و ترشن رو	هر آید این قدر تند و ترشن رو
چرا هر دم بلب می آورد کفن	چرا هر دم بلب می آورد کفن

ز چندی کند روی زمین را چه شد این شیرست غمگین را
 چه شد کینه کردم بی چشم ملعون بر آرد دستش از ماه و از خلق
 چنان زهر آلود زهر خان شدند آواره گرد آشیان
 چنان فیله بدست غنجاک بر می افکند خار و فس و خاک

مدتی این ششوی شاهزاده اختر از این حیث هم دارای اهمیت خاصی است که هرگز تو بهمت و
 عقاید واهی جامه هندی سده هجدهم میلادی در آن بخوبی و مفصل نظم شده است. ناگفته نماند که
 تصنیف این مثنوی در زمانی صورت گرفت که شیخ کلیم الله ولی جهان آلودی زنده بود و شاه ولی الله
 دهلوی و میرزا منظر جان بهمانان هر دو تقریباً بیست چهار سال بعد از وی توان گفت که در آن زمان شاه
 ولی الله و منظر جان بهمانان هر دو جوان بودند و جامه هندی هنوز هم تحت تاثیر آنان قرار نده گرفته
 بود. ولی از آنجا که آرای شیخ کلیم الله جهان آلودی هر فرد و بشر نه فقط در دلی بلکه در احوال و دیگر
 آشنائی مطلق داشت. با وجود این نه فقط عوام بلکه خواص هم مبتلای تو بهمت بودند و در عقیده
 شان علاج بهمان و مرخصان در سحر و بستن تمهید برانند و چنین چیزهای دیگری مضمر بود. آن
 وقت که محبوب شاهزاده اختر بستری شد (غالباً او مرخص تب محرق بود) او برای درمان محبوبه خود
 چه کرد و با کسی مشورت کرد و از هر مرحله های مختلف دوچار شد، بر روی این همه احوال نه فقط
 حیرت اخراست بلکه عبرت ناک هم هست.

معلوم می شود که روش آن زمان این بود که اولاً مرخص را به طبیبان رجو می کردند بر قول
 شاهزاده اختر در آن زمان هر طبیب مبتلا به این زعم باطل بوده که او مسیحا و جالینوس وقت
 است. آنان بیک دیگر ایرادی نگرفتند و طبیبی لطیف و گیرا را بی عقل و جاهلی می پنداشت آن وقت
 که محبوب شاهزاده اختر به طبیب رجو می کرد و طبیب او را منطوق و سهل داد ولی هیچ اتفاق پدیدانند.
 بعد از آن مرخص به طبیبان دیگر رجو می کرد. کسی گفت که مبتلای رسل است، دیگر گفت دش مرض

گرفت است، و دیگر دریافت کرد که مرض در روزی گردن بجای گرفته است. کسی ضعف مصله و کسی درو کرده (کلید) و بیماری های نسوانی و کسی ضعف بگرم (کبد) را سبب مرض اعلام نمود ولی بقول شاهزاده اختر این همه تشخیص مرضی اصل و غلط بوده بدین سبب حال عرض روز به روز رو به فحامت گذاشت. این همه حجب و خود را شاهزاده اختر به این کلمات نظم می کند:

یکی می گفت من هستم مسیحا	یکی جز من می تواند کرد امیا
یکی می گفت جالینوسم روزم	یکی می گفت افلاطونم بچورم
و گرمی گفت من عیسی شام	دو فر بار از کتب همراه دارم
یکی می گفت جز منم در جهان کیمت	و گر گرمی دو کلام از چیست؟
طیبیانم چاره و تدبیر کردند	مجبور نسو حاتم خبر کردند
سمنه از منج و مسهل برآوردند	بشعیه مرض صد کتب خواندند
یکی می گفت میدانم که شد سل	و یکدیگر می گفتم منم مصله مشکله
یکی می گفت اینم راه اول دله شد	غلامی گوید آنم ندانم که سل شد
دو اسک باید متدل داد	چو دارد درد دله طوی طوی داد
یکی می گفت گدانه هست رنجور	ز بهرش لازم آید قرص کافور
یکی می گفت در کاهش شده اینم راه	ز درد کرده و رنج نمی گاه
یکی می گفت ای ضعف بگرم شد	ز بهرش یافتم حاشه و گرم شد
یکی می گفت دارد گرمی دله	ز داروی بگرم دادیم چه حاصله
یکی گفت اینم مرضه از صده فحامت	که از یقین تافه انهم را صد خواست

در دلی مصر شیخ حکیم محمد ولی شاه ولی الله دلی و میرزا اسماعیل جانان محمد طیبیان
از علای مرضی قاهر شدند ز تنها عوام بلکه خواص هم مریض خود را نزد مساجیان کشف و کلمات

می بردند و احساس علاج می کردند. در بین این مساجیان گفت و کلمات هم مثل طبعانده بود
 مرض مریض را تکلف می نمود و با آنکه یکدیگر تشخیص مرض می نمودند مثلاً کسی می گفت که بر مریض مله
 جن با پری، یا آخاب یا ما هتاب یا شتری است و به پنج خود آغاز علاج می کرد کسی توید برای آفتختن
 در گردن مریض و اسپند برای سوختن در آتش می داد و این طور علاج مریض می کرد کسی در پیال یعنی
 از زعفران چیزی (فانبا آیت های کلام الله) می نوشت و آب در آن کرده مریض را می نوشاند. معلوم
 می شود که در آن زمان عقیده مردم این بود که آب آن چله که در دستگاه حضرت چراغ و صلی واقع است
 شفا بخش است بدین سبب از آنها آب آورده مریضان را می نوشانیدند. علاوه بر این عامل (مردی
 که باورد آیات کلام الله ارواح غیر بشری را صلح خود سازد) از هفت چاه آب فراهم آورده از آمیزه آن
 آب علاج بیمارانی می کرد. یک طریقی دیگر هم این بود که خاک از "چهار راه" جمع می کردند و عامل از
 آن خاک علاج بیمارانی می کرد. نه همین بلکه بعضی از عاملان فرمان می دادند یک مجسمه بزرگ طلائی
 بسازند تا از آن مجسمه علاج بیمار کرده شود. شاهزاده اختر این امر را واضح نه کرده است که از مجسمه
 طلائی چه طور علاج می کردند؟ آن وقت که عاملان جس می کردند که مریض تحت تاثیر سحر و آسیب (مرد
 پری) است برای دفع سحر و آسیب هیکل ییونی می ساختند (از ابیات شاهزاده اختر این امر واضح
 نمی شود که این هیکل چه طور ساخته می شد). آن طبیبان که جنبه دینی داشتند امر می دادند که آیه
 مبارکه اُمّ ترکیتم را نزد مریض تکرار کنند و فلفل سیاه در آتش بسوزانند و مزب العبر
 می خوانند و از خون کبوتر بر لوح طلائی یا نقره ای چیزی می نوشتند و از آن علاج بیمارانی
 می کردند. تفصیل این همه اقواص مبالغه را شاهزاده اختر به این طور آورده است:

یکی از سایه جن و پری گفت	یکی از ماه و مهر و شتری گفت
یکی آورد تمویذ و سپنداده	یکی خاک شفا و آب نسانه
یکی بر کاسه ییونی نوشتیم	چه مشک و زعفران هم شسته

یکی آب از جهاظ دلمی آورد
یکی آهک خاک چادره را
یکی از موم بستی نقش و صورت
یکی گفت از انصاف و سرسخت
یکی بر رشته میزد مدگره را
یکی آنکه قد و بالا از طلا ساخت
یکی می ساختی پیکل ز بوم !
یکی می کرد الم ترکیب را ورد
یکی می خواند حزب البحر و جوشن
یکی لومی گرفت از نقره و زر
یکی از گوسفندان شانه آورد
یکی خواه شد دوا از هر خم و دود
یکی می خواست آب بهت چه را
که دعوت را چنین باشد ضروت
که دارم چاره هر رنج برکت
که بندد بر گمانه حله زه را
که باید در تصدق کیسه پرداخت
که باشد هر زی از آسیب جلا
یکی می سوخت گردش فلفل خرد
یکی ماسخن و عسکه را ساخت از نو
قلم ترک کرد از خون کبوتر
یکی از شانه ها دندان آورد

تا مدتی که نظارینه بنده بر ادبیات سده سیم میلادی است می توانم بگویم که مثنوی دیگر
این دوره که این طور عکاسی آن عقیده ها را که در آن زمان در محیط راجه و متداول بود
نگرفته است. از این بیست مثنوی شاهزاده آخر امتیاز مخصوصی دارد. اگر این مثنوی این
جنبه نداشته بود آن وقت هم برای ما حائز اهمیت می شد. زیرا که این مثنوی نگارش
یکی از شاعران ناشناخته شده است.

بقول شاهزاده آخر سال تصنیف این مثنوی "قم فاندوه بیداد" است که بمقدور
امداد کلمات یک هزار و یک صد و سی و رسمی باشد. چنانکه معلوم است بمقدور سال ۱۱۳۱ هـ

له کلا است فی الامم و حقا ناند است و محل استعمال که "آن" فالج نیست.

اورنگ لطیفه وقت سلطنت شده بود و بتولی خود شاهزاده افتر آن وقت سنش چهارده سال
 بود از این ماده تاریخ مثنوی برمی آید که او بوقت تصنیف مثنوی هفت شانزده ساله بود و در سوره
 ذکر شده ابیات پر معنی و روانه و دلکش نوشته اگر چه تا تکلف نیست ولی خیلی دشوار بر نظری آید
 بدین سبب متعده بنده این است که نقل نویس این نسخه علی یک "واو" را حذف نموده است یعنی
 اصل ماده تاریخ "غم و اندوه و بیداد" بوده باشد - از این رو ازین ماده تاریخ سال ۱۱۳۹ هجری
 برمی آید یعنی این مثنوی آن وقت تصنیف شده بود که سنش بیست و دو ساله بود - بعد از این
 معرفی مختصر شاهزاده افتر متن کامل مثنوی نقل کرده می شود -

ناهیید و آخرت

تا چند حدیث کهن یسلی و مجنونه
این یسلی و مجنونه سرفراز شد اکنون

خدا را ای وفاداران در پیشه	بن گمشدگی که میگویم غم خویش
چه غم سرمایۀ صد درد و ماتم	به هول و رفتن دستاغیز بدم
چه غم کنیزش عقیق چهل سادات	ز بیش کوه قف اندر گدازات
چه غم سرمایۀ دو کافر سودا	نهال حسرت با طر تمنا
چه غم دیوانۀ ساز شوخ و خنده	به پستی افکن هست بلندانه
چه غم تخم جنون و نو بهاری	بخار ابراشک لاله کاری
چه غم آب غم تجر غرامت	قیامت در قیامت در قیامت
چه غم آهوی وشت خانه کوله	گرای مایۀ کاشانه دله
چه غم نیرنگ باز بیقراران	چه غم ناسور ساز فاعداران
چه غم بر مطلب طومار دوری	چه غم موج میلا ناصبور
چه غم دیوانۀ ساز عقل و جنون	چه غم سرمایۀ چشم میرون
چه غم بریم زلف اسبابهای	چه غم بخت سیاه نامرادی
چه غم تخته جگر بپزند عشاق	چه غم آتش و دهانهای مشتاق
چه غم خار افکن پیرایه و گل	چه غم آتش نشانه جان ببله

چه غم سراپای دستها جانف
 چه غم کسیر قلب طالب یار
 چه غم تحصیل باغ زندگانی
 چه غم هم صحبت و یار وفادار
 چه غم نقشه نگین جانف اختر
 که چون ابن سلف گاه بگذری
 جهان تاریک شد پس قدم کوتاه
 بخت سلطنت شاه معظم
 چو او هم رفت رازین تخت بر بست
 سزا دین از آنها گشت منصور
 ز بهدا و شیر فرخ سیر شد
 پس از وی حق تعالی هر پان گشت
 ز دلی بآن مقام الملک سادات
 جدا گردید عبد الله از راه
 دویم باشد روان شد بر سر کار
 ز لب بر شاه ضبط خویش میزدند
 یکی از پند گان راست کردار
 ازین صددت دل شد گدازید
 و از آنها شد سوی دلی روان
 و از آنها شد واقف شد و این کار

چراغ غلبت گم کرده راهانف
 کعبه فتح باب باغ دیوار
 گزافی باد کای بار جانف
 انیس کلبه بجزانف دلداری
 چه غم تنهای قوت آل میدار
 برآمد شاه مانگیر غازی
 کشش افتاد در اولاد آن شاه
 بدولت مسند آرا گشت چو غم
 برای یونگ اولادش کمر بست
 شد او هم عاقبت زین کاغذ بهجور
 بی تیر قضا او هم سپهر شد
 محمد شاه، شاه کامرانف گشت
 برون بردندش از بهر مکافات
 که در دار الخلافه باشد شجابه
 بفرج و لشکر بی حد و بسیار
 جهان در سینه تخم کینش افشانند
 ز خیمه قصر عمرش کرد مسمار
 ز ضبط بنده گان آزاد گردید
 که سازد بنده است خسروان
 ششایان سوی دلی رفت تاچار

سپاهای من کرد و منج پر دخت	بلای تنگ شاهنشاه بر فاست
ز شهر آمد برون چون چند منزل	ز بهختی بوالی شد مقابل
ز حد هر چند بیرون برد پیکار	بدست مردم شد گرفتار
منقش شد شهنشاه بر آن تخت	بدصلی آمد و نشست بر تخت
همه ارکان و اعیان خلافت	رهائی یافتند از دست آفت
دل نمکین من هم شاد گردید	برادر را بخت سلطنت دید
بس چاره بود دور آن حال	ز شش پنج زمانه فارغ ابال
ز بهر من همه اسباب ثروت	همتا ساخت آن جشید مکت
مراد غارت خود مجرّه دار	که با هم پیش و پیش خرم و شاد
جلس شاه بودم گناه و بچاه	چون آن آخر کبند همه ماه
بهر چیزی که آمد آرزویم	کشاد از مرمت آن در بر عیم
نه بیند از پدر کس آن عروت	که من دیدم از آن کان فتوت
شهبان گرچه شدند اخوان یوسف	چو یوسف هست او مینه تلفت
همتا ساخت مد سیر و تماشا	هزار الوان نعمت های دنیا
بیا ساقی بیا ای مایه هوش	که می خواهم کنم خود را فراموش
چنانکه در بست دلداری نگارم	بچشم جلوه خواهد کرد یارم

این تانده محبت ز ناله این عشق
شیرین سخن طوطی که کهن عشق

فرخنده یک دور زینسان بکند ناله زارم و گریه من چاکر آمد

جهان گدیده چون گلزار بهمنار	شده استقلال در شاه پدیدار
شدند اهل موت جلد یک جا	بملک نیتی رفتند اعدا
صدای مبارکباد برخاست	چو افولان رسیدند از چپ راست
بعد ... به ... ابریشم رنگ	نوا می مطربان ز هر آهنگ
چون مستان یک دشت کلاواک	شده برین شادی ساغر تاک
که مردگی شدی از دست خودنگ	چنان بر غاصی آواز مردنگ
کشیدنی اگر چه بر تنش پوست	نیاروی برون از نژاد دوست
نمی دیدند روی اقربا را	زانی را که بود اندر محل جا
طلب دارند تا باشند خوش دل	میسرشد که زن های قهایل
چو گردونه از کواکب یافترین	سرای شرز ز نهای خوانبر فز
همه پروانه آن شمع بودند	بگرد تخت غمرو جع بودند
تماشایش مرا منت منظر بود	هر آنکس را که پیشش گند بود
که شد خیل پری رویان نمودار	چه بینم روزی از چرخ فسون کد
همه چون آهوان دور از آهو	سپه چنان پرت افسون و جادو
بکار دلربائی چست و چالاک	همه شیرین ادا و شوخ و بیباک
چو شیرین داده بر فرهاد میشه	همه عاشق کش و بیداد پیشه
زهی دیبای خوبی بیشتر موج	شدندی هر قدر نزدیکان فرج

له دامل زهر آمده، نسج قهاسی -

له تاغرا نسج میسر نیامد - که کدایت فی الاصل

مرا هر چند نفرت از زمان بود
 بیکایک اضطرابی گشت پید
 چون نزد یک آمدند آن معینان
 که بر جانم که زد نقب نهانی
 نشسته در دل من ناوک کبیت
 بهر مردی که میکردم نگاه
 مکرر شد نظر را چو نگاه
 نگ تا بانگاهش آشنا شد
 خدنگ غمزه اش در سینه جایافت
 سلام را باندازی (ادام) کرد
 شدم شیدای آن شیرین شمایل
 شدند از پیش چشم من روانه
 بی بروم بر آن ره انظارش
 بهین طالع مسود که نگاه
 ولی بود آرزو من که آن یار
 رفیق سائی این کار گشتند
 غرض که بعد مدت های بید
 بهر غمهای دل گردید یک سو

نه در دل نام ایشان نه نشان بود
 ندانستم که گشتم بر که سفید
 نقص کردم از احوال ایشان
 که دارد در دل من کامران
 چنین بیتاب گشتن را سببیت
 دل آشفته را نکشود راه
 بی دیدم سراپا سحر و جادو
 ز دل صبر و ز سر پرستم جدا شد
 همچو گنج او ندانم گنجینه جایافت
 که سر تا پا درون سینه جا کرد
 خدایش ساختم یکدل نمود دل
 من اندر سوز ماندم عاشقان
 که گاهی باز هم افتد گناه ریش
 میسر می شدی دیدار آن ماه
 شود هم خانه و دلداری و غم خور
 بی آوردن آن یار گشتند
 بفضل حضرت بیچون دادار
 میسر شد وصال آن پری ماه

زلف حق فلک در یادری شد
 غلامم نگری فی که بجای
 ایس و بهم و هزار و هم کیش
 بت موزون قد شیرین شایان
 مرا از وصل او این قید و زندان
 چو شد روزی دیدم برویش
 زمش بود پیش دیده بانی
 مرا باوی ز فکر این و آن بود
 شدی از بوی مولیش خانه گلشن
 تماشاگاه چشم روی او بود
 چو خورشید فلک رو چش گشتی
 و گر پر دین در خود را نمودی
 همین اندیشه بودم روز تا شب
 چو در عقل نشستی رای کردی
 و گر غفلت گزینی رای او بود
 چو گشتی بر زمین سرو خلعان
 و گر بر سیر دریا سبیل می کرد
 و گرمی خواست دیدن قطره باری
 با آفتابی از غمش رسیدی
 ز مهرش بودم زنده شب تا صبح

رفیق من نگاری چون پری شد
 دل افروده را تاب و توانی
 ندیم و محرم و مرجم ز ریش
 که می شد هر زمان قربان او
 بهشی شد گلستان در گلستان
 بشب بچیدی جان را بمویش
 برویش داشتم از محل فرانی
 حدیش قوت جان نا توان بود
 ز شمع روی او کاشانه روشن
 رخ جان و دل من سوی او بود
 بدل فکر لباس او گذ شسته
 خیال معذگوشش دل ربودی
 که مرغوبش چه خواهد بود یارب
 ب مردم چشم او را جای کردی
 دل بی نقش عیش جای او بودی
 نشاندی دست جانم کو و دانه
 سر شکم پیش چشش سبیل می کرد
 دو چشم من شدی ابر بهاری
 دلم یک دم دوسه شد کشیدی
 ز غمها خالم میداشت آزاد

کشیدی مگر قدم سری گلستان
 بهتایم اگر خواهش فزودیم
 بسیر آهوان چون دل کشیدی
 خیال مشک اگر در دل فتادی
 چو میل پسته و بادام تر بود
 اگر میخواستیم در بای غلطان
 یل شکرانه گر شکر طلب بود
 اگر بودی بقرآن خواند نم میل
 چو می گشتم ز شوق سبده بیتاب
 عبادت را که وقتش محترم بود
 همیشه چشم من بر یار می بود
 نبود اندوهی از بی اختیاری
 نه فکر فیل و اسب و گاو و خر بود
 نه باکس بود فکر آشنائی
 ز فیض روی و موی آن خورشید
 بساط غری افتاده بودی
 بیاساتی بگیر این شیشه بردار
 حروف معنی بر شوی و شنگی است
 رخس گل بود و قد سر و فرامان
 نقب از چهره خود بر کشودی
 خیال چشم مادوش رسیدی
 دوزخ منبرین را بر کشادی
 دهان و چشم او اندر نظر بود
 عرق بودی بران رخسار تابان
 شکر پرورده آن نوش لب بود
 رخس و انشوم بودی زلف و ابل
 مهیا بوده از ابروش محراب
 جبین پاک او چون مسجد بود
 نهال غری بر بار می بود
 نه و سوا سی به دل از تاجداری
 نه تخت سلطنت اندر منظر بود
 نمی دانستم اندوه جدائی
 بروزم عید بود و شب شبنم
 همه اسباب عیش آماده بود
 که خون در جام دارد و میخ و قرار
 درین آه و بچه فوی پلنگی است

لی مہرئی مشوق بلائیت جگر تاب
زین غمہ عجب نیست اگرنگ خود آب

غرض کز فیض آن شیرین شام	ہم سامان مشرت بود حاصل
نہ از غم دلتخم بر سینہ باری	نہ دگر گزار خاطر خار خاری
بدینسانہ می گدشتی روزگارم	بخوبی شدی بیل و نہدام
کہ ناگز زنی از چشم زمانہ	رسید و تیرش آمد بر نشانہ
سموی در پی سیر و سفر شد	بہم آغوشی حکمرگ تر شد
روان شد غم در دوزخ آفت	برای غارت گنج لطافت
روان شد مہر ہر باد خزانہ	بتاراج سہی سرو جوانہ
برآمد ابر فکر دبار اندوہ	علم زد ظلمت غم کویہ دد کویہ
کبوتر خانہ جمیعت جانہ	شد از انہی غم خواب پریشانہ
سخن کوتہ کم رہ بس از است	ہنوز این زغم اول بسا است
شد از سردی مہر چہن پر زور	مزاج نازک آن ماہ محروم
مرض رود در ترقی کرد ہر روز	دلہم محم شد از آہ جگر سوز
زمن آثار دل شادی برون شد	غم میخانہ جان سرنگون شد
خزانی راہ جست اندر بہاری	شراری زد بقلب ہنبہ زاری
کشودم تیز ہائی سوی تدبیر	کہ باشد مخلص از دست تقدیر
ہیکل شد از نوای بر باد و چنگ	صدای کوب ہاون سودن سنگ
ہیکل شد از خیال جامہ ساقی	کہ نان دارد چہ خواہد بود باقی
خیال دیدت روی سہبانہ	ہیکل شد با ملاقات سہبانہ

یکی می گفت من هستم سیمای
 یکی می گفت جالینوس روزم
 دیگری گفت من عیسی شامم
 یکی میگفت جرمن در جهان یکیت
 طبیبان چاره و تدبیر کردند
 سخن از منقح و مسهل برانند
 یکی می گفت میدانم که شد سل
 یکی می گفت این را بول دل شد
 دواء السک باید معتدل داد
 یکی می گفت گردن هست رنجور
 یکی می گفت در کاهش شد این ماه
 یکی می گفت ہی صفت جگر شد
 یکی می گفت دارد گرمی دل
 یکی گفت این مرض از مده برفت
 نقاقون و شنا صد گفتگو شد
 چو شد هیکل ز اسباب علامات
 یکی از سایه جن و پری گفت
 یکی آلود و تمویذ و سپندانه
 یکی بر کاسه چینی نوشتم
 یکی آب از چاه و حل آلود
 که جرمن می تواند کرد احیه
 یکی می گفت افلاطون بعورم
 دو خربار از کتب همراه دارم
 و گردن گری دو کانم از چیست
 مجرب نسخها تحریر کردند
 به تشخیص مرض صد کتب خوانند
 ولیکن می کنم من حل مشعل
 غلط میگوید آن نادان که سل شد
 چو دارد درد دل داری دل داد
 ز بهرش لازم آید قرص کافور
 زود گردد و رنجی نباشد گاه
 ز بهش یافتم حالش و گر شد
 ز داروی جگر دانه چه حاصل
 که اگر نفل توان این را مدخلست
 ز هر در چهاره را جستجو شد
 یکی حرنی ز دا زشت و کرامات
 یکی از ماه و مهر و مشتری گفت
 یکی خاک شنا و آب نیسانه
 چو مشک و زعفران با بهر شرف
 که خواهد شد دوا از هر فرموده

یکی آورد خاک چاره را یکی خواست آب هفت چاره را
 یکی از سم بستی نقش و صورت که دعوت را چنین باشد حضرت
 یکی میگفت از انسون و سرست که دارم چاره هر رنج برکت
 یکی بر رشته میزد صد گره را که بندد بر کمانه حمد زه را
 یکی آنه تدو باله از طلا ساخت که باید در تصدق کیسه پرداخت
 یکی می ساختی هیکل ز سیمو که باشد مرزبی از آسیب و هلاک
 یکی میکرد اله ترکیب راورد یعنی سوغت گردش فلک خورد
 یکی می خواند جزیه ابو جوشن یکی ما و مدش را ساخت فرزند
 یکی لوی گرفت از نقره و زر قلم تر کرد از خون کبوتر
 یکی از گوسفندان شان آورد یکی از شان با دندان آورد
 غرض هر کس علاجی را که فرمود مهیا کردم و آخر نشد سود
 اثر گم شد ز تعویذات و طومار چو تیر خالی از پیکان و سوار
 نمی کردی اثر نیرنگ و انسون چو شادی در دل پرورد و محزون
 نیامد نهی در دست طبیبان چو دولت در کف دست نصیبان
 نشد فرقی ز بلغم تا بسودا ز خون دم زد یکی (دیگر) ز سفره
 نماند اندر دل امید ناشای نشد هرگز مرض را انطاشی
 نهال نازکش چو ن موی گردید بنا بر اشک چشم جوی گردید

له کذا، اغلباً "واو" اضافه کاتب است و محل استعمال کذا آن ناظم -
 به واصل از برای هوز آمده -
 به تصحیحی -

بجان و دل شدم سرگرم و هلاک
 چه نازک لاله بدستار خورشید
 چه نازک هم چو کوب در سحرگاه
 چه نازک چون خیال تافته گویان
 چه نازک آشنائی غرض مند
 چه نازک چون دقایق تازینان
 چه نازک وقت به سواس هستی
 چه نازک موج آب زنگنه
 چه نازک صبت پیمان و شمع
 چه نازک از فلک رسم مدارا
 چه نازک صبت سیل و آتش
 چه نازک با رقیبان آشنائی
 چه نازک زیستن در هر اجاب
 چه نازک هم چو پرکار مصد
 چه نازک نشه پیمان و گل
 چه نازک هم چو اطوار زمان
 چه نازک هم چو بوند ترقه جان
 غرض که دیدن این دد جاوید
 بی اندیشه می شد در دل نلد
 بجز این صفت کاف نیکو شایه
 بفرمان بودن آن بخت نازک
 چه با سنگین دلتان احوال امید
 چه نازک چون شهادت به تو ماه
 چه نازک گرد خط ماه رو یاف
 چه نازک فضا مادر بفرزند
 چه نازک تو بدو عشرت گویان
 زمانی سر بلندی سگاه بسته
 چه نازک نشه جام جرافه
 چه نازک شعله دنیا و دل جمع
 چه نازک بودن بهر آن گوارا
 چه نازک شادی و جان بلاکش
 چه نازک صبر و ایام جداله
 زمانه ناله بجزیش و تصاب
 چه نازک هم چو اسلحه محرر
 چه نازک معنی تقریر ببلبل
 چه نازک چمن خیال و عاشقان
 چه نازک هم چو بد کفر و ایمان
 قوی گردید باس و دست امید
 که این محسوس بود مستی غدا
 مرا انگشت دگر جواب حایه

هزاران هفت کانه سلاسله بانه
 هزاران هفت کانه مشرق و کنگ
 هزاران هفت کانه غلت گره بوشه
 بی بودم گرفتار همیشه رنج
 شب هر لحظه می جستم از خواب
 ایستاده بماند نازنین گشت
 بی بودم در پله اندیشه خاموشه
 چو بر این حال هم فصلی میسر شد
 شد آن بدر رخس نازک هلالی
 علی رضا را ولی آب گردید
 نقش از بسکه زار و ناتوان شد
 حکیم از نبض او دیری بنا کام
 زبس ضعف مزاج ناتوانی
 گرفت از ضعف شلغ دست طلا
 زبس شد ناتوان از پای تهر
 چنان بیچاره خمش ناتوان شد
 چه گویم حال گوش از ناتوانی
 ز بار موی بندش که قضا بود
 زبس شلغ نفس شد نازکی سار
 شدی چنان بیگانه گردید که
 در آن دم هم فکر خورشید داشت

مراد غم گدازد سینه کو بانه
 بدنه سانه میزند بر پیشه ام سنگ
 شود از دیده مشتاق رو پوشه
 که اینک میرسد غارت گر گنج
 که بی افتاد این کشتی به گرداب
 بلورینه جام با سندان تری گشت
 که آخری بر در میخ از سرم چش
 شب اندیشه دغم تیره تر شد
 همان سرو سگی هم چون خلای
 که شاخ سنبش بیتاب گوید
 چو ماری در لباس خود نهان شد
 سر سنجاب می آمد بالهام
 سخن میکرد بر آن لب گرانی
 ز رنگ دسم و نقش صفا بار
 دماغش را گزیدی بوی مبهر
 که گرد سر مراش کوه گران شد
 ز نام گوشوارش شد گرانی
 قدم گشته اش بهین نمود و باجد
 نیارخی نشسته مرغ انکار
 بدست دگرگان چلو به چلو
 پس اندیشه های کدر من داشت

چو دیدی بهر خود بنوا هم پیش	همس خواب می سپید بر بویض
ندیدی چون خوش بر من گه را	ز بهر خود طلب کردی غذا را
چو می گشتم ز ترک کب بی تاب	همی کردی لب خود هم پر از آب
غرض بودیم با هم چون تن و جان	خسریک رنج و راحت هایدینسان
گذشتی هر شمی با صد غم و سوز	ز شب هم تیره تری آمدی روز
زود دور گنج آن جان گزانی	گذشتی عمر باین تلخ کامی
شدی هر ساغر مه روز و سالی	با ختر هر زمان از نو و بانی
بیا ساقی بده زهر بلا بده	که بر من کد سخت اخلاص مشکل
مگر از هادی نو جان سپاریم	که تاب بهر جانان را نداریم

یارلن تن رعلت آن یار عزیز است
کز دودی اوی مزگی ده هم عزیز است

ز گردش های این بهر سنم	شبی بر خاتم بی پاوی سر
فلک آمد بجشم اژدهای	که فی سر باشدش پیدان پای
نوی دوران تلخ پلنگ	چو با صد آبله رخسار رنجی
بر آمد کج کادب از سر کده	چنان که جانم نمک شعله
گریبان پاک دیدم کج صاف	شد او چون مگر نمک صاف
نقدی چون سرفی برداشت	پادشاهت زنی در جگر داشت
با آمد بهریم با هر زرد	چو کتلی کتلی ای شوم خود

فلان گفتم کجا چرخ و چه خورشید
 ازین دیگ سیه کار پد آزار
 علم زد در هوا کینست سیم
 ز سر تا پای عالم گشت دشت
 ز هر جانب که میدیدم جهان را
 بدل گفتم که یارب چیست امون
 چه شد تا بش خورشید خیره
 چرا جلاد آمد بر سر قهر
 چرا بار دگر زه بر کمان کرد
 به پیشانی چرامی انگند چین
 چرا شد این قدر تند و ترش رو
 چرا هر دم بلب می آورد دکت
 ز ناف می کند روی زمین را
 چه شد کین کز دم بی چشم ملعون
 چرا ز نور آن زنبور خانه
 چرا این نیل بدست فتناک
 چرا دل می رمد از دهن مردم
 چرا بجانگی شد آشکارا
 چرا امیدش اند جان قنایت
 چه شد جان و دلم پس بقرارات

که اختاد آتشی در کشت امید
 برآمد کف و مار شد در بار
 قلم زد آسمان بر دهن ارقم
 فضای آسمان میبخت دشت
 علم میکرد شمشیر و ستان را
 که مضاف فلک شد بس جگر سوز
 هوای آسمان ناصاف و تیره
 چرا شمشیر کرد آلوده زهر
 چرا تیغ غضب را بر ناله کرد
 چرا زین می نهید براد هم کین
 نظر را می کند بردوش و بازو
 چرا رخساره می افزود از تنف
 چه شد این شیرست خشمگین را
 بر آوردست نیش از ماه و از آن
 شدند آواره گرد آشیانه
 بسری انگند خار و خس و خاک
 بسری خلد چون نیش کز دم
 فلک را سهو شد طور مدارا
 چه شد کین پیر بن فیر از کین نیست
 و دین سپید من خار خالاست

چه شد تنگ است بر جان هماره تن
 چرا گم کرده ام من دست و پا را
 چرا دیگر دل من می زند پیش
 چرا... آزان اضطراب است
 چرا می بارد از دیوار و در غم
 چرا شد حالت گیتی مکرر
 علامت های عشر گشت پیدا
 درین اندیشه بود مغمق و بیوش
 که اختر حال آن مرشد در گون
 بملک قدس میگرد روان
 همای جان او پرواز دارد
 غنیمت دهن غنیمت وقت دیدار
 بیابش نو حدیثی گر توانی
 چه آمد بر مگر این تیر دل هفت
 بسر غلطان بسوی او دیدم
 چه گویم بود شمع آتش شب
 بین می گفت کای پرهانه من
 بین می گفت کای فراز دلش
 بین می گفت کای بمنون شیدا
 بین می گفت کای شعله به بلبل
 نمی دانم چه خواهد رفت بر من
 بینم تا چه پیش آرند مارا
 چرا جان میشود هر لحظه بیوش
 چرا جان هوا خواهدان غراب است
 چرا شد وضع این کاشانه درم
 چرا شد دفتر ایام ابرتر
 مگر روز قیامت شد هویدا
 که ناگه این صدا آمد در گوش
 عنان چاره رفت اندست پیون
 تنگ آمد ز تنگی زمانه
 با هنگر جدائی ساز دارد
 که بر بستند اینک محل یار
 که دارد زیر لب حرف نهانی
 ز سر پا ساختم با صد غم و سوز
 ز جان سیر آمدم تا جان بیدار
 رساندم گوش را نزدیک لب
 زین یاد تو یاد افسانه من
 جدا گشتی ز شیرین دیر خویش
 چه خواهد کرد دیر این بیستی
 بکن ناری که اینک میرود غش

کجای کن که باقی نیست خست
 دل غمناغ زهر امید و هر بیم
 بر آوردم ز جان آه جگر ساه
 بسر افتادم اندر قتلزم غم
 قیمت دیدم و پیش گفتم
 زدم از دست این چرخ سنگ
 ز دست این سپهر فتنه بیازنه
 سه روز و شب درین عالم بپرشد
 فلک بر پیشه ام زد سنگ کاری
 رقیبان خوم و دشاد گشتند
 یکی گفت کلام بر مراد است
 یکی گفت آنچه شد حق و بباشد
 بدینسان حرف می گفتند بهم
 ز چشم جوی خونین بر کشادند
 بکار هر گرم کردند مدارا
 بخواه امان گرفتار غراست
 بیا ای ساقی خون ناپوشان
 دعای مرگ بایهوشیم بخش

سلامت باغش مخم از تو رخت
 چنین گفت و حق جان کرد تسلیم
 که با جانان روم ای کاش همراه
 بکشت دل فشاندم قمع ماتم
 بزواب مرگ هم آغوش گفتم
 هر برسنگ هر برسنگ بر سر
 ز سر پوشم بیرون رفت و فتن جان
 دلم از ملک هستی بی خبر شد
 که کارم روز و شب شد آه و زاری
 ز زنجیر حد آزاد گشتند
 بپندین مستجو با دست طاعت
 نه از سوی کسی فضل خدا شد
 بدلهاشاد و بیرون نام ماتم
 جگر را سوده الماس کردند
 نفاق از جبهه شان اظهار
 زهر سوطن و تشنج ملامت
 فدای خاک راهت می نوشان
 ز اربابی زمان رویشیم بخش

باید که حدیثی کنی از گور و کفن یاد
بر بیج. خواهند کنی نوحه و فریاد

شکایت بس کن ای اختر زانید	که داری یک دودم بهانه بیج مار
سرا پا فرق بحر انتظار است	دلش از بهر رفتن حیران است
ندارد میل نان و خواهش آب	بروی نفس افتادست دیناب
بکن بکرماس آن یگانه	که میگردد سوسى مادر روانه
دلش تنگ است این وضع مکرر	نخواهد آمد اینجا بار دیگر
غرض چون همان مختلف جهان باد	ز زندان خانه دنیا شد آزاد
روان کردم ز آب بیج جورا	سرالجمای دهم تا شست و شورا
نیاید تا ز آب سرد آزار	نمودم گرم از آه شش و باد
بر آوردم کفن از بیج دل	ز تار جان نمودم رشته حاصل
چه کار غسل و تکفین یافت انعام	سوی تابوت بردندش مناکام
ز جور این سپهر فتنه کردار	و دارع یار خود کردم بهتچار
بگفتم اوداع ای دلبر مرنه	که بی تو خاک بادا بر مرنه
بگفتم اوداع ای مولس جان	که مارا سوختی از دست مرنه
بینم تا کی از بهرم بسوزی	و گر کی می شود دیار مرنه
بینم چند باشم از تو میخور	ز آغوش خودم داند لودنه

بهیمن چونده باشم مضطرب حال
 چنین تاملاتی در نوم مانند
 زایش پیش من هوش من شده
 چه گویم آشکارا شد قیامت
 سلامت خیمه از عالم برهنه زد
 نشاندم بر سر خود خار و خشاک
 نهم دسترس بر پنج و غیر
 نه مدون بیتوان از خواش و زور
 تبار تانیم را ببردند
 من از بحر ششم در لاله پیاپیانه
 بفرمودم بهماران استاد
 مزاری رشک باغ جادو دانی
 مقام بودند آن یار خاتونه
 اشاره شد که از نقد آنچه باید
 بسی بند گلاب راست بنیانه
 بجایا چون دل و صفت طرازانه
 عمل و ریختن خرم گاه و بیگاه
 و صفت چیم ز عطریات و آثار
 اجل باشد ز کلام فارغ ابله
 فغان و نار بر گردون رساندم
 ز لوع دیده نقش جان نهان شد
 قرین گشتم باندوه و ندامت
 مصیبت بردل و جانم نمون زد
 نمودم جامه جان را بر پاکت
 که از تن دور می انداختم سر
 نه پیش از مرگ نتوان رفت در گور
 بزییر خاک چله گنجش سپردند
 بظاهر زنده ماندم یک بجای
 که آنها ره را سازند بنیاد
 سزای بودند دلدار جانف
 که شد از آخر سر گشته رو پوش
 بگیرند و بسازند آنچه شاید
 مرتب شد مکانی رشک رضای
 معصا بچو جاله پاک بازان
 خوان را از بهارش دست کوتاه
 برای زنده می شد هر چه در کار

از انجا گرچه دورم من ز خای	نودم ورد خود این بیت جای
مکنونم گزین ز خاک کنه حیرم است	بحمد الله که جان آبخامیر است
غموشن آخر که در خوابت دلداد	ز آه و ناله تو دارد آزار
بکن در کلبه اعران خود جا	تنک زنی مکن از هرزه بلا
نخواهد بود بجزش جاودانه	که میگردد تو هم آخر روانه
ندارد زاری و شوری تو سودی	از بنجامینی خواهد درودی
بگو صلاوة بر روح بیمبستر	علیه و فاطمه شبر و شبستر
چه پایانه یافت این شویده دفتر	نهادم نام آن "ناهیده و افز"
ازین ابیات پرسودای کنه دانه	گلدازی کن قلب از دندانه
ز تار بخش ازین نمکین ناشاد	چی پرسی غم داند و بیداد

دریدم کافذ و خامر شکستم

بسی زانوی خاموشی نشستم

* تمام شد ششوی تصنیف ای بیان برادر محمد شاه بادشاه غازی

(تاریخ کتابت ندارد)

VOLUME 19

NUMBER 1 & 2

MAJALLA-I 'ULUM-I ISLAMIYA

1994

Editor

Prof. M. SALEM KIDWAI

Published by

THE INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES

ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

ALIGARH-202002

INDIA



